

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

تمهيد في تحقيق رسالة القرآن

بِالصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ
مَعَ
كَارِخِرِ يَابِدَعَتِ

مَكْتَبَةُ مُحَمَّدِيَّةِ دِهْلَوِي

اتبعوا ولا تبغوا ○ حضرت شیخ جیلانیؒ

بدعت مرضی شیطان است مرضی شیطان را با حسنه

چہ کار۔ فرمان حضرت مجدد الف ثانیؒ

تمہید و تحقیق مسلمانان

بالصلوة والسلام

کار خیر یا بدعت

جس میں لانا محمدؐ اور ان کے پیروں کی یاد ذکر ہر مسلمان کا ہونا
مقرر ہے اور قادیانیوں کی کلمہ اسلام و اسلام قبل اذان
الکونین اے اللہ تعالیٰ کے مقرر ہونے والے وقت کے ہونا است
حکایت میں نقل کیے گئے ہیں

حضرت مولانا فردوس شاہ صاحب قاضی مصنف چراغ سنت الصلوٰۃ والسلام
کلمتہ مع فلسفہ نیاز

مکتبہ محمدیہ دہلی

Rs: 50/-

قیمت

چراغِ سنت

مصنف: مولانا سید فردوس شاہ صاحب قصوری
قیمت: ۳۰ روپے

(سنتِ روزہ الاہتمام ۱۵ نومبر ۱۹۷۷ء لاہور) ناشر: مکتبہ نذیریہ جناب بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

بریلویت نے شرک و بدعت کا جو سلسلہ برصغیر ہندوستان میں جاری کر رکھا ہے اس کی اصلاح کے لئے علمائے حق نے قرآن و حدیث کی تبلیغ و تشریح میں اپنا زور صرف کیا ہے مگر انھوں نے کلاس طائفہ نفس پرستان لے کانوں میں انگلیاں ٹھونس رکھی ہیں اور آنکھوں پر پٹیوں باندھ لی ہیں اور یہ لے لے لے رہا ہے کہ وہ ہندو یا عیسائی کی ہتھوڑی تو کر سکتے ہیں مگر اہل بیت عالم یا مکتبہ دیوبند کے کسی فاضل کی بات نہیں سنیں گے۔ تصوف کی آڑ میں قرآن و سنت کے واضح احکام و مسائل اور افکار و عقائد کو انہوں نے اتنا بدیست کر دیا ہے کہ عام آدمی ان کی اصل صورت پہچاننے سے قاصر رہ گیا ہے۔ شہرِ قصور کے کسی مولوی نے ”نذیر اولیاء“ نامی کتاب لکھی جس میں بدعات کا طومار باندھ دیا۔ اسی شہر کی فاضل شخصیت مولانا فردوس شاہ صاحب کی حمیت ایمانی جوش میں آئی اور انہوں نے اس کی تردید میں کتاب و سنت اور علمائے حق کی کتب سے اس مسئلے کی صحیح صورت بیان فرمائی اور اس موضوع پر ”چراغِ سنت“ کے نام سے کتاب شائع فرمائی۔ یہ کتاب اب سے کوئی پچیس تیس سال پہلے شائع ہوئی تھی۔ اب مکتبہ نذیریہ نے شاہ صاحب کی اجازت سے اس کا دوبرا ایڈیشن شائع کیا ہے اس اشاعت میں اب نذیر اولیاء کے علاوہ دیگر جملہ بدعات کے رد میں بھی شاہ صاحب نے فکر انگیز مواد جمع کر دیا ہے۔ شاہ صاحب نے اس کتاب میں جو استدلال اختیار کیا ہے وہ مغرور ہے یعنی کتاب و سنت سے اہل بدعت کی تشفی نہیں ہوتی کیونکہ وہ بزرگانِ کرام کی بات کو زیادہ و زنی تصور کرتے ہیں اس لئے مولف نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت غلام الثانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے اقوال و افکار کے حوالے سے تمام مسائل بیان فرمائے ہیں ان میں علم غیب، ایصالِ ثواب، استمداد و توسل، سماع موتی اور دیگر لایم مسائل شامل ہیں اس کے علاوہ احمد رضا خاں بریلوی اور دیگر بریلوی حضرات کی طرف سے شاہ اسماعیل شہید اور علمائے دیوبند پر لگائے گئے اتہامات کا جواب نہایت واضح و لائق سے دیا ہے جن کو پڑھ کر حقیقت نگہ کر سائے آجاتی ہے۔ مکتبہ نذیریہ اس کتاب کی اشاعت پر مبارکباد کا حق ہے کہ اس نے وقت کے چیلنجے چنگھاڑتے مسائل پر یہ کتاب شائع کر کے بریلویت کے تلخے میں دراڑیں پیدا کر دی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب اہل توحید و سنت کے لئے نہایت کامدگار کتاب ہے۔ ہمارے دماغ و بطن اس سے بہرہ منم کے حوالے سے کام لے سکتے ہیں اور اچھے جوئے مسائل کو جاننے کیلئے اس سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	تمہید و تحقیق مسئلہ اعلان	۷	۹	بہمدروانہ اپیل	
۲	بالصلوٰۃ والسلام بار شہوت اور دلیل کا ذمہ دار	۱۱	۳۲	نظمی عبادات کہ پرشیدہ ادا کرنے کی سنت	
۳	کون بدعت کی تعریف جس میں علماء بریلی کے تمام ائمہ کا جواب آگیا۔	۱۳	۳۳	تغویب کا بیان	
۴	یا رسول اللہ سے چٹر اور عوامی طعنہ	۲۰	۳۶	کسی بات کا غیر منقول ہونا غیر مشروع اور ناجائز ہونے کی دلیل ہے۔ اس موضوع پر اعلیٰ حضرت بریلوی اور فتاویٰ شامی کی تصریحات	
۵	مستحب پر اصرار اور دوام پر تئازم	۲۵	۳۹	کیا حضرات مجتہدین اور فقہاء کلام نے کچھ بدعات ایجاد کی ہیں۔	
۶	بدعت کی جھوٹی بھالی ابتداء مفسر اٹھا	۲۷	۴۰	بدعت جاری کرنے کی پہلی دلیل اور اس کا جواب	
۷	ترک مستحب کی ضرورت پر پہلی اور دوسری دلیل یعنی ممتاز علماء شافعیہ کا تباہ و برباد ترک مستحب پر ارشاد	۲۷	۴۲	بدعت جاری کرنے کی دوسری دلیل اور اس کا جواب	
۸	علماء بریلی کی خدمت میں	۳۰	۴۴	قرآن کریم سے شہوت کا	
			۱۵	قرآن کریم سے شہوت کا	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	دعویٰ اور اس کا جواب			صاف الفاظ میں امام کو خدا	
۱۶	کیا صلوٰۃ و سلام ہر حال میں مستحب ہے	۴۶	۲۱	کہہ کر اس کی نماز ادا کرتے ہیں خافظ الحدیث امام غسقلانی اور فخر احناف علامہ بدر الدین	
۱۷	اعلان صلوٰۃ و سلام کا حدیث سے مستند علمی اور جعلی ثبوت اور اس کا جواب	۴۹		نثار جان بخاری کی تصریحات تذکیر کے متعلق تذکیر عوام کا فعل تھا رمہ میں کی ایجاد کر دہ بدعت تھی ر حافظ	
۱۸	درود شریف آذان سے پہلے یا آذان کے بعد	۴۹		الحدیث علامہ ملا علی قاری کا فیصلہ صلوٰۃ و سلام بعد از نماز بدعت ہے اور آذان سے پہلے کی بدعت تو جو دہویں صدی کی ایجاد ہے	
۱۹	سلطان صلاح الدین ایوبی کا کارنامہ بریلوی علماء کی سب سے بڑی مضبوط دلیل	۵۰	۲۲	فقہ کلام کی تصریحات صلوٰۃ و سلام آہستہ پڑھنے کی ترغیب اور استیجاب پر	۶۶
۲۰	سلطان صلاح الدین ایوبی کی سیاسی چال، سابقہ ماحول اسماعیلی فرقہ کا مختصر تعارف شیعہ امامیہ اور اسماعیلیہ میں اختلاف و سلطان سے پہلے سلام کی بدعت اسماعیلیہ کی ایجاد تھی۔ اسماعیلیہ ہمارے شیعہ امامیہ اور اہل سنت والجماعت کے معتقد فقہی سے کفار ہیں۔ ان کی تجبیہ و غریب نماز کا تعارف	۵۰	۲۳	رسالہ اعلان صلوٰۃ و سلام	۷۱
			۲۴	صلوٰۃ و سلام کا مقصد	۷۴
			۲۵	دلائل	۷۹
			۲۶	دوسری دلیل	۸۲
			۲۷	استحسان	۸۵
			۲۸	آخری دلیل	۹۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرضِ ناشر

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد! میرے استاد محترم شہرِ قصور کے مایہ ناز عالمِ دین حامیِ سنت، قاطعِ بدعت، شیرِ بیشہ، مہجراتِ حضرت مولانا سید فردوس شاہ صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ العصف کتبہ بذا "تمہید و تحقیق اعلان بالصلوٰۃ والسلام" سے قبل بہ بیوی حضرات کی تردید میں بالخصوص مولانا عبد اللہ قادری قصوری اور ان کے اساتذہ کرام کی تنقید میں لا جواب تاقیامت کتاب "چراغِ سنت" ۱۳۵۶ھ میں لکھ کر اہل حق سے نہ بہرہ دست خراجِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ مذکورہ بالا کتاب ایسا بھی مارکیٹ میں دستیاب ہے۔ اس کے بعد مولانا قادری قصوری صاحب نے "ذکرِ جہر کا جواز" رسالہ لکھا۔ محترم شاہ صاحب نے اس کا جواب ایسے خارِ اشکاف و دلائل سے لکھا کہ مولانا قصوری صاحب نے دوبارہ کھنے کی ہمت نہ کی۔ حضرت شاہ صاحب کا رسالہ "کارِ خیر یا بدعت" موجودہ کتاب کے آخر میں شامل اشاعت ہے۔

مفتی غلام سرور قادری لاہوری نے گزشتہ دنوں ایک رسالہ "مسئلہ صلوٰۃ و سلام قبل اذان" شائع کیا۔ راقمِ آٹم نے بذریعہ ڈاک حضرت شاہ صاحب متعالیٰ بطولِ حیات کی خدمت بابرکت میں ارسال کیا خط بھی لکھا۔ اس کے بعد مجھے خود بھی قصور جانے کا اتفاق ہوا تو مؤدبانہ التماس کی کہ مذکورہ بالا رسالہ کا جواب لکھیں۔ حضرت شاہ صاحب مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ کو جیرانوالہ کی طرح بے ساختہ اور خوب لکھتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا سلفیؒ کی خدمتِ اقدس میں بھی جب راقمِ آٹم جب کبھی لکھوانے کے لئے حاضر ہوا تو فی الفور لکھ دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کا علم مستحضر ہے اور یہ لوگ متقی علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب مدظلہ نے چند دنوں میں رسالہ مذکورہ کا جواب لکھ کر میرے حوالے کیا۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء فی الدنیا و الآخرہ۔

مولانا احمد علی صاحب قصوری کا مضمون لوائے وقت میں آیا تھا۔ حضرت مولانا علامہ عبد الغفور صاحب انوری مدظلہ نے حضرت شاہ صاحب دائم ظلہ کی خدمت اقدس میں یہ مضمون پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ شاہ جی! اس کا جواب لکھیں۔ وہاں کیا دیر تھی، فوراً جواب لکھ دیا۔

ناظرین! حضرت شاہ صاحب مدظلہ اس پیرائے سالی کے باوجود توحید و سنت کی حمایت کے لئے اور اہل بدعت کی تردید و غلبہ کے لئے سیف بے نیام میں آپ نے اپنی تمام تصانیف میں بریلوی حضرات کے بڑے بڑے علماء کی تحریروں میں علمی خیانتیں واضح طور پر بتائی ہیں جس کا جواب وہ اب تک نہ دے سکے اور نہ دے سکتے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ! اور قصور ایسے بدعت گروہ شہر میں توحید و سنت کا چراغ روشن کئے ہوئے ہیں۔

ہوا ہے گوشت و تیز مگر چراغ اپنا جلا رہا ہے

وہ درود و ریش جب کو بخشے ہیں حق نے اندازِ غمروانہ

پڑا فلک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں

جلا کے خاک نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحب مدظلہ کی عمر میں خیر و برکت عطا فرمائے اور انہیں صحت مند رکھے اور توحید و سنت کی حمایت میں ان کی محنت و محبت کو قبول فرمائے، آمین ختم آمین یا ارحم الراحمین

علماء حق کا خدام

محمد حنیف یزدانی قصوری

ناظم مکتبہ ندویہ لاہور

۲۹ شعبان ۱۴۰۶ھ

۹ مئی ۱۹۸۶ء

بروز جمعہ المبارک

حَامِدٌ وَمَمْلُوءٌ مُسَلِّمًا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تمہید و تحقیق مسئلہ اعلان بالصلوۃ والسلام

حضرت امام ابو اسحق شاطبی غرناطی نے اہل بدعت کی پہچان اور شناخت کے لیے بہت سے نشان اور علامتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک علامت یہ بھی ہے کہ کتاب و سنت کے دلائل کو اپنے اصلی مقام سے ہٹا کر دوسرے مقام پر لے آتے ہیں۔ اس وہم سے کہ دونوں مقام ایک ہی ہیں اور گمان غالب یہ ہے کہ جو شخص دین اسلام کا اقرار کرتا ہے اور کسی بات کو اپنے مقام سے ہٹاتا برا سمجھتا ہے وہ کھلم کھلا تو ایسا نہیں کرتا مگر کسی شبہ کی بناء پر یا جہالت اسے حق سے روک لیتی ہے یا ہو ایسے جی نگتا مذہب اور اپنی ذاتی پسند سے دلیل کو صحیح مقام پر لانے سے روک لیتی ہے اس لیے وہ بدعتی ہو گا۔

اس کا بیان یہ ہے کہ دلیل شرعی جب کسی عبادت کا تقاضا کرے اور عمل کرنے والا بھی اسی معیار پر اس کام کو کرے مثلاً اللہ کا ذکر دعا نوافل وغیرہ کا حکم کہ صاحب شریعت نے ان کو کھلا چھوڑ دیا یعنی ان کو ادا کرنے کا کوئی خاص طریقہ خاص جگہ خاص وقت یا خاص تعداد مقرر نہیں فرمائی کیونکہ نفلی عبادات ہر شخص کا انفرادی عمل ہے اور افضل یہ ہے کہ ان نفلی عبادتوں کو پوشیدہ طور پر ادا کرے

حضرت امام شاطبی کی شخصیت کے تعارف کے لیے دیکھو موطا لیسرات شرح دلائل الخیرات ص ۵

(امام فاسی) اور حضرت فاسی کے لیے دیکھو فتاویٰ شامی بحث در وجود شریعت

اس حکم کی تعمیل بھی اگر اسی طرح مجمل شکل میں ہوگی جیسا کہ حکم مجمل ہے تو یہ عمل اپنی حقیقت کے اعتبار سے بھی درست ہوگا اور سلف صالحین بزرگان دین کی پیروی بھی حاصل ہو جائے گی لیکن عمل کرنے والا اگر اُس عمل کو کسی خاص طریقہ یا خاص وقت یا خاص جگہ یا کسی مخصوص عبادت کے ساتھ ملا کر کرنے لگے اور اس کی پابندی پر اصرار کرے تو دیکھنے سننے والے یہ خیال کریں گے کہ یہ پابندیاں اس عمل کے ساتھ مقصودی طور پر لگی ہوئی ہیں حالانکہ وہ دلیل ان پابندیوں سے بالکل خالی ہے۔ مثلاً شرع نے ذکر الہی کی ترغیب دی ہے تو کچھ لوگوں نے کسی خاص وقت یا خاص طریقہ سے آواز بلند آواز سے ذکر شروع کر دیا جو دین میں نہیں تھا تو یہ کام خلافت شرع ہوگا کیونکہ غیر ضروری چیزوں، طریقوں کی پابندی سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ دین کا حکم ہے خصوصاً جب مذہب کے پیشوا اور امام مسجد وغیرہ مسجدوں میں ایسا عمل پابندی سے کرتے گئیں اور اُسے پوری طرح ظاہر کیا جائے جیسا کہ دین کے تمام نشان اور شعار مثلاً آذان، نماز، عید، نماز استسقاء، نماز کسوف کو ظاہر اور مجمع میں ادا کیا جاتا ہے تو بلاشبک و شبہ اس عمل کو فرض نہ سمجھیں تو سنت اور دین کا اصول تو ضرور سمجھا جائے گا۔ اس لیے اب وہ بری بدعت بن جائے گا۔

الاعتصام ص ۱۹۹

الامام القدوة المحقق نجیۃ العلماء حضرت امام شاطبی مالکی کے ارشاد سے ہمارا مسئلہ صلوٰۃ و سلام کافی حد تک واضح ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان صلوٰۃ علیہ وسلم تسلیماً مجمل تھا۔ پھر حضرات صحابہ کے سوال پر آپ نے ارشاد فرمایا قُولُوا اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یہ اس کا بیان ہے۔ پھر حضرات صحابہ اور تابعین پھر بزرگان دین کے درود شریف بتاتے ہیں کہ صلوٰۃ و سلام اللہ کی جناب میں دعا ہے خواہ مخاطب کا لفظ ہو یا غائب کا، ماضی کا لفظ ہو یا مستقبل اور امر کہ درود پڑھنے والا اس عبادت کو انفرادی طور پر ادا کرے گا اور کوئی اجتماعی شکل نہیں دے گا نہ اس عبادت کے لیے اپنی طرف سے کوئی وقت مقرر کرے

سکتے ہیں نہ خاص موقع اور مقام۔ نماز کے آخری قعدہ میں تو درود شریف کا ضروری مقام دین کی طرف سے مقرر ہے کیونکہ نماز کی قبولیت میں اثر رکھتا ہے لیکن بلند آواز سے پڑھنا منع ہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْاَذْكَارُ الْاِخْفَاءُ (البحر الرائق ص ۳۲)

یعنی تمام اذکار میں اصل آہستہ پڑھنا ہے۔ اس کے علاوہ جہاں بھی درود شریف پڑھنے کا موقع ہے کہیں بھی بلند آواز سے پڑھنا ثابت نہیں ہوتا البتہ آہستہ کی تاکید موجود ہے جیسا کہ بیان ہو گا۔

مسئلہ صلوٰۃ و سلام قبل اذان ایک رسالہ پہنچا ہے مصنف کا نام ہے حضرت قبلہ علامہ مفتی غلام سرور جس کا روئے سخن تو ایڈیٹر انوار الصوفیہ مولانا مفتی غلام رسول کی طرف ہے لیکن نیرنگان دیوبند اور جماعت اہل حدیث پر نگاہ التفات اور نظر عنایت جاری ہے۔

وہی پرانا بدایونی ہتھیار یعنی مسائل اور دین کے اصولوں کو چیزیں تصور کر کے اباحت اصلیت کے فقہی قاعدہ سے اُن کو جائز بنانا اور جب سب کام جائز ہیں تو بدعت ایجاد کرنے پر اعتراض کون کر سکتا ہے۔ ہمیشہ سے اسلام کی قطعی سادگی کا محافظ یہی قاعدہ تھا کہ جو بات کتاب و سنت اجماع امت تعامل صحابہ اور ائمہ دین کی تعلیمات میں نہیں ہے وہ بدعت ہے۔ اہل بدعت کے ایک منظم گروہ نے اس قاعدہ کو ختم کرنے کے لیے اس کی جگہ ایک اور قاعدہ بنایا، چیزوں میں اصل اباحت اور جواز ہے اس لیے مسائل میں بھی اصل جواز ہے جس بدعت کی حرمت ممانعت دین میں نام لیکر موجود نہ ہو وہ مباح اور جائز ہے۔ ذیل میں اسی اصول پر بحث کی جاتی ہے۔

الاصول فی الاشیاء الاباحۃ حضرت فقہا کا ایک اختلافی مسئلہ تھا۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ کسی چیز کی حرمت کی دلیل اگر نہ ملے تو اسے اصل کی طرف لوٹانا چاہیئے۔ اصل کیا ہے؟ بعض فقہا کے نزدیک اصل اباحت ہے۔ امام

ابن عابدین شامی نے فتاویٰ شامی میں تو یہی فرمایا ہے لیکن البحر کے حاشیہ میں التہر الفائق کے حوالے سے فرماتے ہیں :

المذہب المنصور عندہم الحج

یعنی فقہاء کے نزدیک دلائل کی مدد سے کا مذہب مسلک یہ ہے کہ اصل میں توقف کرنا چاہیے یعنی کچھ فیصلہ حلال و حرام کا نہ کیا جائے۔ مگر بات یہ ہے کہ فقہاء کئی دفعہ کہہ دیتے ہیں کہ اصل اباحت ہے اور درمختار کے مصنف بڑے زور شور سے فرماتے ہیں کہ ایسی چیزوں کو حرام نہ کہو نہ حلال کہو، توقف کرو اور مباح کہنا مختزلہ کا مذہب قرار دیتے ہیں۔

(درمختار مع شامی ص ۲۲۲ باب استیلاء الکفار)

بعض علماء شافعیہ و حنفیہ ممانعت کے قائل ہیں یعنی ایسی چیزوں کو استعمال میں لانا کھانا پینا منع ہے۔ معلوم ہوتا ہے فقہاء حنفیہ اس مسئلہ میں تین جماعتوں میں بٹے ہوئے ہیں اور اکثریت ترک جانے اور توقف کرنے کا فیصلہ کرتی ہے لیکن ہماری مہربان دوستوں کو بدعات کی کھیت کے لیے اباحت کے سوا اور کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ بدعات کے تحفظ کے لیے اسے مضبوط مورچہ سمجھ کر اس کے پیچھے چھپتے رہتے ہیں۔ دراصل تو یہ اصول فقہاء نے شریعت نازل ہونے سے پہلے مالوں کے حکم پر اٹھایا تھا۔ اجتہاد کے دور میں ایسی چیزیں بھی سامنے آئیں جن کے حلال و حرام ہونے کے متعلق کتاب و سنت خاموش تھے۔ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ خدوئی ہا ترک ککھ کی بناء پر صحابہ میں سوالات کا حوصلہ بہت کم تھا۔ دربار رسالت سے جو کچھ مل جاتا اسے دل و جان سے قبول کرتے اور مزید پوچھنے کی جرأت نہ فرماتے۔ ماسکت عنہ فہو عفو

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے کسی ضروری پہلو میں خاموشی نہیں فرمائی دین کا بیان آپ کی شان تھی۔ اصول و فروع کا خاکہ خود مکمل فرما دیا۔ حضرات صحابہ پھر تابعین تبع تابعین اور علماء دین میں سوچ و پیر غور و فکر اعتبار و

اجتہاد کا ملکہ پیدا کرنے کے لیے بعض چیزوں کے متعلق ارادۂ خاموشی اختیار فرمائی گئی
 کیونکہ اس خاکہ میں رنگ بھرتے والے انہی نشانوں پر ہیچھے کر رہے تھے تاکہ دین کی
 فروغی تکمیل میں آپ کے نائب بھی حصہ دار ہوں۔ اب ہمیں چیزوں کی اصل معلوم
 کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ حضرات مجتہدین کی تحقیق سامنے موجود ہے
 ہر شخص اپنے ذوق سے کوئی مکتب فکر اختیار کر سکتا ہے وہاں ہر چیز کی دلیل موجود ہے
 مذاہب مدوں ہر کچھ ہیں چیزوں کی اصل معلوم کرنا دور اجتہاد کے مسائل تھے۔ اب
 ہمارے مہربان دوستوں کو یوں سوچنی کہ بدعات کو چیز بن کر اصل الاشیاء کے قاعدہ
 سے مباح اور جائز بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ سنت و عیت
 چیز نہیں بلکہ دین کا اہم اور کلی اصول ہے۔ دین کے اصولوں کو چیز کہنا بے انصافی
 اور کج روی ہے۔

پانچویں اور دیس کی ذمہ داری

علامہ مفتی صاحب رسالہ کے صفحہ پر فرماتے ہیں :
 کسی بات کے جواز کی نہیں عدم جواز کی دیس پوچھی جائے گی۔ عدم
 جواز کی دلیل نہ ملے تو یہی کافی ہے۔

صلاً پر ایک قاعدہ بیان فرمایا ہے :
 جس کام کے کرنے کا حکم بھی نہ ہو اور ممانعت کی دلیل بھی نہ ہو
 وہ بلاشبہ جائز قرار پاتا ہے۔
 صلاً پر فرماتے ہیں :

جب ممانعت کی دیس شریعہ ہی نہیں تو اس کا جواز خود بخود
 ثابت ہو گیا۔

جواب : جس بات کا دین میں حکم نہ ہو اور ممانعت بھی نہ ہو وہ مباح اور جائز تو
 ہوگی لیکن اس کو دین کا کام سمجھنا بدعت ہو گا۔ علماء دین نے قبر پر اذان

نماز و غائب رجبی کو اسی قاعدہ پر منع فرمایا، بدعت قرار دیا کہ اذان باتوں کا دین میں حکم ہے نہ صاف ممانعت ہے اس لیے عبادت کے لیے کرنا بدعت ہو گا۔ مثال کے لیے ایک آدمی روزانہ اُدھی رات کے وقت تہجد کے واسطے لوگوں کو جگانے کے لیے گھر کی چھت پر بلند آواز سے اذان کہتا ہے اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ میں سیدنا بلالؓ کی سنت قائم کرتا ہوں کیونکہ عہد نبوت میں سیدنا بلالؓ کی اذان رمضان میں سونے والوں کو جگانے کے لیے تھی۔ صحیح بخاری میں موجود ہے۔

پھر ہر شہر میں اس کی نقل کرنے والے پیدا ہو جائیں تو آپ کے اصول کے مطابق تو اس کی نیت بھی نیک ہے۔ کام ایسا ہے کہ دین میں اس کا حکم بھی نہیں ہے ممانعت کی دلیل بھی کہاں ہے۔ زیادہ سے زیادہ آپ اس کو یہ کہیں گے کہ وہ تو رمضان شریف کی خصوصیت تھی۔ وہ یہ جواب دے گا کہ رمضان کے علاوہ گیارہ مہینوں میں اُدھی رات کو اذان کہنے کی ممانعت قرآن مجید، حدیث شریف اور فقہ حنفی میں کہاں ہے۔ اب آپ تلاش کرتے رہیں اُدھی رات کا لفظ فقہ کی کتابوں میں نہیں ملے گا۔ اور خود فرمائیں تو قبر پر اذان تو بالکل بے دلیل بے ثبوت اٹکل بگو کی بات ہے۔ لیکن بلالیہ فرقہ کے پاس بہت زیادہ مضبوط حدیثیں موجود ہیں۔ یہ بلالی حضرات پکے اہلسنت و الجماعت ہوں گے اور آپ کو گستاخ بے ادب منکر سنت کہیں گے۔

جس کام کا حکم دین میں نہ ہو تو اس پر جائز اور مباح کا حکم آپ کہاں سے لے آئے۔ وہ تو ایسا بیج ہے جس کو سمندر پار سے ہوا اڑا لائی۔ ایسی چیز کو دین میں داخل کرنے والے دین کی نظر میں جرم ہیں۔ یہ بدعت ہے۔ اس کے بعد وہ حضرات آئیں گے جو مسجد میں گستاخ کا کھیل دکھائیں گے۔ اُن کا دعویٰ یہ ہو گا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیادری سید عائشہؓ کو ساتھ لے کر ہمارا کھیل دکھاتے تشریف لاتے ہیں اور صحیح بخاری کی روایت پیش کریں گے۔

بدعت کی تعریف

دین میں کوئی طریقہ ایجاد کیا گیا جو شریعت سے مشابہ ہو۔ اس پر چلنے کا مقصد دین میں مبالغہ اور زیادہ کوشش ہو۔

دین میں ایجاد کا لفظ اس لیے ہے کہ دنیا کی ایجادات مثلاً کئی قسم کی مشینری سائنس کی تحقیقات ریل گاڑیاں اور ہوائی جہاز کاریں سب چیزوں کو بدعت نہیں کہا جاسکتے گا کیونکہ یہ چیزیں دین میں ایجاد نہیں ہیں دنیا کی ایجادات ہیں یہ بدعات نہیں ہیں۔ اور دین میں ایجاد وہ ہے جس کی سابقہ مثال دین میں نہ ہو۔ دین کے اصول و قواعد سے اس کا اشارہ نہ نکلتا ہو تو ایسے علوم جن کا اشارہ دین میں موجود تھا حسب ضرورت بعد میں ایجاد ہوئے۔ مثلاً صرف و نحو کا علم، لغت عربی کا علم، علم معانی اور بیان، علم اصول فقہ، اصول حدیث وغیرہ۔ یہ علوم اگرچہ اسلام کے مرکزی دور میں موجود نہیں تھے لیکن یہ دین کے خادم علوم ہیں۔ ان کے اصول دین میں موجود ہیں اس لیے ان علوم کو دین میں ایجاد نہیں کہا جائے گا بلکہ دین کی خدمت کہا جائے گا۔ مثلاً قرآن مجید کے اعراب یعنی زبر زیر پیش کو صحیح پڑھنے کا حکم حدیث میں موجود ہے اس حکم کی تعمیل میں یہ علوم صرف و نحو ایجاد ہوئے۔ اصول فقہ کا مقصد یہ ہے کہ شرعی دلائل کے قوانین پوری تحقیق سے مجتہد کے سامنے حاضر اور موجود رہیں اور عام آدمی کو مجتہد کی تحقیق سے فائدہ اٹھانے میں آسانی ہو۔ اسی طرح علم معانی بیان اعجاز قرآن کی خاطر علم کلام وغیرہ ان باتوں کو بدعت اور دین میں ایجاد نہیں کہا جائے گا۔ ورنہ قرآن مجید کا جمع کرنا بھی بدعت ہو گا جبکہ وہ اصل دین ہے اور باتفاق صحابہ ایک جگہ جمع ہوا ہے اور مدارس کی شکل کی بنیاد فقہاء کا یہ اہول ہے حالانکہ الواجب الایہ نہ ہو واجب یعنی واجب اور ضروری چیز کے انتظامات بھی واجب ہیں اور حضرت قادی نے فرمایا شافعی اور حنفی علماء کے ہاں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ وسائل اور ذرائع مقصد کا حکم رکھتے ہیں چنانچہ نیکی کا وسیلہ بھی نیکی ہے اور گناہ کا وسیلہ

بھی گناہ ہے۔ (مرقاۃ ۱۲۹)

بدعت کی تعریف میں دوسرا جملہ جو شریعت کے مشابہ ہو کا مطلب یہ ہے
اگر وہ کام صاف طور پر دین کے خلاف ہو تو اسے دین سمجھنا مشکل ہو گا
دیکھنے میں دین نظر آتا ہے، عوام جہلاً کو مغالطہ ہو سکتا ہے کہ یہ دین ہے۔
تیسرا جملہ یعنی اُس طریقہ پر چلنے والے اس کام کو دین کی رونق و عزت
اور عبادت پھر دین کی خوبصورتی سمجھتے ہوں۔ دراصل یہ جملہ سورہ کہف کی آیت
اَلَّذِينَ هُمْ يَكْسِبُونَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَكْسِبُونَ
اَنَّهُمْ يُكْسِبُونَ مُنْعًا ۝

وہ لوگ جنکی کوشش دنیا کی زندگی میں ضائع ہو گئی اور وہ یہ
سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کرتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرات صحابہ کے دو قول ہیں جیسا کہ بخاری کتاب التفسیر
میں ہے کہ حضرت بن ابی وقاصؓ اس آیت کو یہود اور نصاریٰ پر چسپاں کرتے
تھے۔ سیدنا علیؓ اس کو اہل بدعت پر لگاتے تھے۔ امام رازیؒ اس آیت پر
لکھتے ہیں سیدنا علیؓ سے روایت ہے کہ ابن الکواثر نے آپ سے پوچھا یہ کون لوگ
ہیں۔ آپ نے فرمایا اہل خروار ہیں یعنی خوارج ہیں اور اصل قاعدہ یہ ہے
کہ جو شخص بھی عمل کرے نیکیاں سمجھ کر اور وہ درحقیقت گناہ ہیں۔ تفسیر کبیر
اور حافظ امام ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں علامہ محدث ابن جوزیؒ نے
فرمایا ہے علموں میں خسارہ کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے بے اصول عبادت کی
توسنت کی بجائے بدعت جاری کی تو ان کی عمریں اور اعمال ضائع ہو گئے۔

فتح الباری ص ۱۱

اسلام میں سب سے پہلی بدعت یہی خارجی فرقہ تھا۔ جناب رسول اللہ صلی

لہ حمود را یک بستہ کا نام ہے جہاں سے خارجی فرقہ اٹھا تھا

اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق بہت سی معلومات اور علامات بیان فرمادی تھیں
قرآن مجید نے بدعتی فرقوں کے جو نشان بتائے ہیں وہ یہ ہیں :

- ۱۔ تفرق اور فرقہ بندی ۔
- ۲۔ آیات کی غلط تاویل اپنے مطلب کی طرف پھیرنا۔
- ۳۔ مسلمانوں کو قتل کرنا

ہمیشہ بدعتی فرقے ان تینوں علامتوں سے پہچانے جاتے ہیں ۔
سیدنا علی ابن ابی طالبؑ نے خطبہ کے دوران ابن الکراد مشہور خارجی لیڈر تھا جو آپ کے ساتھ جنگ
کرتا ہوا مارا گیا ۔ اس وقت تک اس خروج (بغاوت) کی نوبت نہیں آئی تھی
اتباع سنت کے ذوق سے جو لوگ محروم ہوتے ہیں انھیں بدعت میں حسن نظر آتا
ہے ۔ تعجب ہے کہ بریلوی علماء اپنے عقیدہ کی ذمہ داری سے کیوں گریز کرتے ہیں
دلائل کا بوجھ اٹھانا ہر مدعی کا حق ہے ۔ ہمارا گناہ صرف یہ ہے کہ ہم بصداہب
پوچھتے ہیں اچھی حضرت مولانا مفتی صاحب یہ بلند آواز سے صلوٰۃ و سلام کیا
سیدنا بلالؓ کی سنت ہے یا فقہاء کا اجتہاد ہے ۔ دین میں اس کو کس بزرگ
نے جاری کیا تو بریلوی حضرات جواب دیتے وقت کئی صدیاں چھوڑ کر پیچھے
بٹھتے بٹھتے سلطان صلاح الدین ایوبی پر اکراتے ہیں ۔ سلطان صلاح الدین
بڑے نیک دل بادشاہ تھے آپ نے اپنے بیٹوں کے لیے بہت ہتھوڑا مال چھوڑا
کیونکہ مصر و شام اور ساحل کی تمام فتوحات ان پر تقسیم کر دیں (دیکھو دنیا
الاعیان قاضی ابن خلکان) اس لیے سلطان مرحوم لائق تحسین ہی نہیں لائق
اتباع بھی ہے ۔ دیکھو رسالہ مفتی صاحب ص ۲۵

لائق اتباع کا لفظ بھی قابل غور ہے جن لوگوں کی نظریں دین کی قیمت
مٹا رہے کہ ایک نیک دل بادشاہ کو لائق اتباع اور دین کا امام مانتے ہیں ان
کی نظر میں سنت و بدعت کی پہچان کیا ہوگی ۔ تحقیق مسائل میں ان کا معیار کیا ہوگا

جہالت اور نادانی کی پستی سے اُن کو نکالنا کس قدر مشکل ہو گا۔ چوری کا مال جس گھر سے برآمد ہوا (یعنی بدعات) وہ دلیل اور ثبوت کا مطالبہ پولیس والوں سے کرتا تو یہ کیسی الذکھی بات ہوگی۔ ممانعت کی دلیل پوچھنے والے غور تو فرمائیں کہ بتینہ یعنی شہادت اور ثبوت کا بار ہمیشہ مدعی پر ہوتا ہے۔ البتہ مدعی (حدیث)

آپ حضرات کا دعویٰ ہے کہ یہ چیزیں دین کا حصہ ہیں تو آپ لوگ مدعی ہیں ممانعت کرنے والا حق رکھتا ہے کہ آپ لوگوں سے دلیل اور ثبوت مانگے اور آپ کا حق بنتا ہے کہ کتاب و سنت سے ثبوت پیش کریں۔ منع کرنے والے سے دلیل کا مطالبہ کس قدر چوری اور سیتہ زوری ہے یقیناً دین بت کر عمل کرنے والا دلیل کا ذمہ دار ہے۔ آپ لوگوں کا قلم اُٹھتے ہی اباحت اصلہ کی دہائی دینے لگتا ہے شاید آپ لوگوں کو اتنا بھی علم نہیں کہ اباحت اصلہ کا تعلق چیزوں سے تو ہو گا لیکن مسائل کی بحث میں تو اباحت شرعیہ درکار ہے۔ اباحت اصلہ تو لائحہ فہم کا درجہ رکھتی ہے اور مباح شرعی وہ ہے جس کا شریعت نے منع کرنے اور چھوڑنے کا اختیار دیا ہو۔ تو اختیار کی دلیل دین میں ہوگی اس لیے دلیل کا مطالبہ بجا ہے۔ اباحت اصلہ کا تعلق ان چیزوں سے ہے جن کے متعلق دین خاموش ہے۔ یہ لائحہ فہم کے درجہ میں مباح ہیں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کسی شخص کو رش۔ اب اور مردار کھانے پر مجبور کیا گیا اور قتل کی دھمکی دی تو اسے چاہیے کہ جان بچالے ورنہ گناہ کا خطرہ ہے کیونکہ یہ چیزیں اصل میں حرام نہیں تھیں۔ دین اسے بعد حرام ہوئی ہیں دیکھو فتاویٰ شامی ص ۶۷ یعنی جب اضطراری حالت میں دین کی طرف سے رخصت اور لائحہ فہم کا درجہ ہے تو جان بچالینا بہتر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس کام کو کرنے اور چھوڑنے کی اجازت شریعت کی طرف سے مل چکی ہے جیسے عمدہ لذیذ کھانے اور قیمتی لباس تو اس میں اعلیٰ درجہ تو نہ ہوا اور ممانعت کا ہے لیکن اگر نیکی میں تو سنت

حاصل کرنے کی نیت سے کھائے اور اللہ کی نعمتوں کا نشان دکھانے کے لیے پہننے تو اس مقب پر ثواب کی بھی امید ہے۔ لیکن وہ مباح جس کا معنی لا حرج ہے وہ تو خود مکروہ تنزیہی کے درجہ میں ہے وہ تو گنجائش کے درجہ میں ہی ہے گا اور اس میں نیک نیت سے ثواب نہیں ہو گا۔

بریلوی حضرات خود ہی وضاحت فرمائیں کہ وہ جائز اور مباح سے کیا مراد رکھتے ہیں۔ آپ لوگوں کی ایجادات مباح شرعی ہیں یا مباح اصلی۔ اگر مباح اصلی ہے تو کس ضرورت کے درجہ میں آپ نے ان چیزوں کو لا حرج کا درجہ دیا اور اگر مباح شرعی ہیں تو شرعی دلائل کتاب و سنت اجماع امت قیاس مجتہد سے ثابت کریں۔ عالم اسلام کی نظر میں سلطان صلاح الدین صاحب سنت نہیں ہیں۔ پھر خدا انخواستہ اگر آپ کے خواب کو پتہ چل جائے کہ ہمارا سارا دین اباحت اصلیہ پر قائم ہے تو ان کا کیا حال ہو گا۔

حضرت علامہ علی قزوینیؒ کے عہد میں طواف کے وقت سینہ پر ہاتھ باندھنے کی بدعت جاری ہوئی۔ دیکھا دیکھی بہت سے لوگ اس راستہ پر چل پڑے، کیونکہ عوامی مزاج ہر نئی بات کو پسند کرتا ہے۔ جب ان لوگوں سے پوچھا گیا تو ان لوگوں نے حدیث پیش کر دی۔ الطواف کا لصلوۃ طواف نماز جیسی چیز ہے چونکہ نماز میں ہاتھ باندھے جلتے ہیں اس لیے طواف میں باندھنا ہو گا۔ حضرت علامہ قاری نے اس پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کے جسنہ جسنہ فقرات درج ذیل ہیں۔

حمد و صلوة کے بعد فرمایا۔ الاصل فی الاشیاء الممکنۃ هو العدم غالباً الاصل فی الاشیاء الاباحتہ کا جواب ہے۔ ثمّ تحدّث من آداب البحت والمجدل عند ادبائ الملل والتحل یعنی پھر تمام مذاہب میں بحث کا اصول یہ ہے کہ متع کرنے والا دلیل اور ثبوت کا ذمہ دار نہیں ہے۔ ہاں کسی بات کو ثابت کر سنے والے کا حق ہے کہ اگر وہ قضیہ نقایات سے بنے تو نقل ثبوت

کرے کہ یہ کہاں لکھا ہے۔ پھر فرمایا: ولی من سنہ المتع ما یصلح الی حد الجمع
اور میرے پاس منع کرنے کی دلیل بھی موجود ہے جو اطمینان کی حد تک پہنچتی ہے
وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو فرمایا سیکھ لو مجھ سے حج کے مناسک
تو اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طواف کے وقت اپنے ہاتھ باندھتے تو آپ کے صحابہ
ضرور آپ کی پیروی کرتے۔ پھر سلف صالحین ان کا اتباع کرتے اور علماء اسلام
ہم تک ضرور پہنچاتے کیونکہ دین میں سلسلہ روایت مربوط اور مسلسل ہے۔ جو
چیز نہیں پہنچی اس کا وجود ہی نہیں ہے (تو عدم ذکر عدم وجود کو مستلزم ہوا) اور
منہج کی دوسری دلیل یہ ہے کہ چاروں امام اور ان کے پیرو فقہاء کرام نے کہیں
بھی طواف میں ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں کیا نہ سنتوں میں نہ مستحبات اور آداب میں
تو معلوم ہوا کہ یہ بات غیر مشرور ہے۔ پھر ایسا کرنے سے عوام کو یہ وہم پیدا ہو گا کہ
یہ اچھا کام ہے اور تیسری دلیل یہ ہے کہ ہر مشرک یفین کے باشندوں کا عمل بھی
ایک دلیل ہے بالخصوص جب کہ میر تقی لوگوں کی ایک جماعت بھی ان کے ساتھ
اتفاق کرے تو سب کا عمل اس بات پر متفق ہے کہ طواف میں ہاتھ باندھنا سنت
نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا فادفع بندا ما توہمہ ابن حجر حیت تلال و یکن الخ
یعنی اس تقریر سے شیخ ابن حجر کی کا جواب نکل آیا جو انہوں نے کہا ممکن ہے کہ اس
حدیث کے عموم پر عمل کرتے ہوئے طواف میں ہاتھ باندھنا مستحب ثابت ہو
جائے کیونکہ یہ قول ان کے مذہب کا نفعی میں بھی مختبر نہیں ہے۔ رسالہ کے
اختتام پر حضرت قارئی نے رد بدعات کی دو حدیثیں لکھ دی ہیں جو
رد بدعات میں اہل الاصول ہیں۔

۱۔ من احبت فی امرنا ما لیس منہ فہو رد

جس نے ہمارے دین میں باہر کی چیز لا کر داخل کر دی وہ چیز مردود ہے
نامنظور ہے۔

۲۔ من عمل عملاً ليس عليه امرنا ذو

جس نے ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ عمل نامنظور ہے
پھر فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے صحیح ثابت ہے کہ انھوں نے
فرمایا ما را کہ المسلمون حسناً الخ جس کام کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ
کے نزدیک اچھا ہے اور اس میں شک نہیں کہ سب مسلمان سے مراد جمیعہم اور
الجمہور منہم) یا تو کل دنیہ کے مسلمان یا جمہور اہل اسلام جنکو سواد اعظم کہا
جاتا ہے یعنی علماء دین کی اکثریت۔

از ارشاد الساری شرح مناسک لقاری مطبوعہ مصر ص ۱۱-۱۹

حضرت قاری رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ ارسال البدرین کے اقتباسات
ہر بدعت کو رد کرنے پر حرف آئے ہیں۔ یہی اصول ہر بدعت کو رد کرنے کے لیے
ہمیشہ سے علماء دین نے پیش کیے ہیں۔ بدعات کے متعلق اتنی مختصر اور جامع
تقریر اتنی مدلل اور مکمل حضرت قاری کی کرامت ہے۔

۱۔ منع کرنے والا تو اتنا کہہ دے گا یہ بات دین میں ہے تو دکھاؤ۔
منع کرنے والے کے پاس منع کی دلیل ہوتی تو بلائیہ فرقہ لا جواب کیوں کرتا
۲۔ دلیل اور ثبوت کا ذمہ دار وہ شخص ہو گا جو کسی بدعت کو مباح جبائز
مشرع کہہ کر سنت مستحب بناتا ہے۔ جس کی نظر میں دین غیر محفوظ ہے
جس کے علمی ذخائر ہلاک کے حملہ میں جل چکے ہیں جس کا دین شیخ فکری کبیر
کے اعتماد پر قائم ہے۔ جس کے عقیدہ میں سلطان صلاح الدین مرحوم لائق
اتباع ہیں۔

۳۔ جو شخص مدعی ہو کر منع کرنے والے سے دلیل مانگتا ہے وہ بحث کے
مسلمہ اصول سے بھاگتا ہے حضرت قاری نے یہ مسلمہ اصول مراقاة میں بھی
ارشاد فرمایا :

والسائق لا يطلب منه الدلیل ص ۱۳۶

منع کرنے والے کو دلیل کی ضرورت نہیں ہے کسی بات کو دین میں داخل کرنے والے سے دلیل مانگی جائے گی۔

۴۔ حافظ ابن حجر شافعی قدس سرہ کے علماء میں سے متساہل مشہور ہیں حضرت قاری نے مرقاۃ میں جا بجا ان پر تنقید فرمائی ہے۔ ہر جگہ ابن حجر کے نام سے یاد کیا ہے شیخ کہیں بھی نہیں لکھا ہے۔ مفتی صاحب کا یہ دعویٰ کہ قاری صاحب ان کے شاگرد ہیں ثبوت کا محتاج ہے۔ قاری صاحب کی طرز کلام سے بڑی شہادت ہے اور ذوق میں بھی کافی اختلاف ہے۔

۵۔ دین کا علم نہایت قابل اتہاد ذرائع سے ہم تک پہنچا ہے اور قیامت تک اہل علم امانت کے طور پر پہنچانے رہیں گے۔ اگر کوئی مشکوک بنا کر جعلی سنتیں دین میں داخل کرنا کیسا جرم ہو گا۔

۶۔ دین میں نئی بات کو داخل کرنے والا تو یہی کہتا ہے کہ مستحب ہے لیکن وہ اسے فرض واجب اور دین کا پکا اصول بنا لیتے ہیں۔ سداً ذرائع کے قاعدہ سے یہ مومن درخت کاٹنے کے قابل ہیں کیونکہ جاہلوں کی نظر میں یہ درخت رضوان الہی کا درخت ہے۔

یار رسول اللہ کی چڑھ

جناب مفتی صاحب ص ۱۹ پر فرماتے ہیں۔ کیا کیا جائے ہمارے ان دوستوں کو یا رسول اللہ سے چڑھے اور اس کی پاراکشس میں وہ ہمیں آذان میں زیادتی کا التزام دے رہے ہیں۔

جواب : السلام علیک یا رسول اللہ اور السلام علیک ایہا النبی دونوں کا معنی ایک ہے۔ ہمیشہ سے علماء دین کی اکثریت تشہد میں السلام علیک ایہا النبی پڑھتے آئے ہیں اور پڑھتے ہیں۔ رسول اللہ مان لینے کے بعد محبت تعظیم اقرار اتبصار کا کوئی درجہ باقی نہیں رہتا۔

محمد مصطفیٰ کا بروئے ہر دوسرا است
کسے کہ خاک درخش نیست خاک بر سر است

اور یا حرف نہاد۔ تو نابینا کی روایت میں بھی موجود ہے۔ حضرات بزرگانِ دین نے اس کی جو تاویل فرمائی ہے وہ ہمیں جان و دل سے منظور ہے۔
دلائل الحجرات کے الفاظ تعظیماً حکم یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح میں
امام فاسی فرماتے ہیں :

هَذَا اِنْدَاءٌ لِّمَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاسْمِهِ مَقْرُونًا
بِالتَّعْظِيمِ مِنَ الصَّلَاةِ وَالتَّسْلِيمِ مَعَ كَوْنِهِ لَيْسَ عَلَى
حَقِيقَةِ الْاِنْدَاءِ -

آپ کو پکارنا ہے اور ندا کہنا ہے نام مبارک کے ساتھ صلوٰۃ و سلام کی تعظیم کے ساتھ ملا کر کیونکہ یہ ندا حقیقی نہیں ہے۔
اس کے بعد حضرت امام محمد ہمدانی فاسی نداء حقیقی کی وضاحت فرماتے ہیں
من طلب اقبال النداءى واجابته لكونه حياً حاضراً
نداء حقیقی یہ ہے کہ جس کو پکارا جائے وہ زندہ اور سامنے موجود ہو تو
اس سے توجہ اور جواب طلب کیا جائے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری زندگی سے
بھی زندہ نہیں ہیں اور ہمارے سامنے حاضر ناظر بھی نہیں ہیں اس لیے یہ
نداء یہ بلانا حقیقی نہیں ہے غیر حقیقی یعنی مجازی ہے۔ اور بحیثیت یسوع اہ
یُزَجِّى سَمَاعاً یا ایسی صورت کہ جس کو پکارا جائے وہ سامنے تو نہ ہو لیکن
آواز سننا ہو جیسا کہ دیوار کے پیچھے ہو یا ایسی صورت ہو کہ کس طرح آواز سن
لینے کی امید کی جاسکے ایسی تمام صورتوں میں بلانا حقیقی معنوں میں پکارنا
ہوتا ہے۔ چونکہ آپ ظاہری زندگی سے بھی زندہ نہیں ہیں بلکہ حقیقی اور اُخروی
زندگی سے زندہ ہیں۔ حاضر ناظر بھی نہیں ہیں اور ایسی بات بھی نہیں ہے کہ آپ
ہماری بات سننے ہوں یا دور سے سننے کی امید کی جاسکے تو آپ کو پکارنے

کامقصد نہ تھا آپ کو متوجہ کرتا ہے نہ خواب کی طلب ہے کیونکہ صلوٰۃ و سلام ملائکہ پہنچاتے ہیں اس لیے یہ پکارنا نداء حقیقی نہیں اس لیے یا رسول اللہ، اور السلام علیک ایہا النبی سب درست ہے۔ فلا یاس بهذا السعاد
تو ایسی غیر حقیقی پکار میں کوئی حرج نہیں ہے وقد جاء نظیرہ
من السلف اور سلف صالحین سے بھی ایسے پکارنے کی مثال موجود ہے۔
چنانچہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے بھی انتقال شریف پر کہا تھا۔
أَوْكِرْنَا يَا مُحَمَّدٌ عِنْدَ دَلِقَ

یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے پاس ہمارا بھی ذکر کرنا۔ یہ
بھی نداء غیر حقیقی ہے۔ (مطالع المرات شرح دلائل الخیرات ص ۲۷۹)

رائے یا عمل جس میں اللہ کے دین کی رہنمائی اور نفس کی پسند کا مقابلہ ہو وہاں
پرٹ بھی ہو سکتی ہے لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ کتنے صحابہ انجناب رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد تشہد میں السلام علی النبیؐ پڑھتے تھے۔ اور
جو حضرات صحابہ حاضر اور مخاطب کے لفظ پر قائم رہے وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بھی حاضر تھے اور اب بھی حاضر ہیں بلکہ حضرت عبداللہ بن
مسعودؓ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو یہ جواب دیا ھُكُنَا عُلَمَانَا وَ ھُكُنَا
نُعَلَمُ۔ یہی لفظ ہم کو سکھائے گئے ہیں اور ہم بھی یہی سکھاتے ہیں۔ فتح الباری
ص ۵۵۴ یعنی الفاظ میں اتباع مقصود ہے۔ حضرت فتح عید الحق محدثؒ دہلوی
کا ارشاد ملاحظہ ہو:

ورحیقتہ ایں دعا استہ در نہاد اگرچہ بصیغۂ خطاب است یعنی مخاطب
کے لفظ سے آپ کو مخاطب کرتا مقصود نہیں ہے کیونکہ سلام و حقیقت اللہ
کی جناب میں دعا ہے یعنی صحابہ تھے اسی لفظ کو محفوظ رکھا جو اللہ کی طرف سے
آیا اور آپ نے صحابہ کو سکھایا۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں:

کرمافی در شرح صحیح بخاری گفتہ کہ ایں در زمان حضور و حیات اکسور بود و

صحابہ بعد ازاں ایں چئیں سلام سے فرستادہ السلام علی النبیؐ : کرمانی نے صحیح بخاری کی شرح میں فرمایا ہے کہ حاصر کے لفظ سے سلام پڑھنا آپؐ کی حاضری اور زندگی میں تھا صحابہ آپؐ کے بعد اس طرح سلام پڑھتے السلام علی النبیؐ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مدارج النبوة ص ۲۵ بیان تشدد

نیز امام سبکی نے شرح منہاج میں فرمایا کہ اگر یہ روایت صحیح ثابت ہو جائے تو معلوم ہوا کہ آپؐ کے بعد آپؐ کو سلام میں مخاطب کرنا ضروری نہیں ہے تو یوں کہا جائے گا السلام علی النبیؐ۔ اس کے متعلق امام حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں یہ روایت بلاشبہ درست ہے کیونکہ حضرت عطا سے روایت ہے کہ صحابہ جب آپؐ زندہ تھے تو السلام علیہا النبیؐ پڑھتے تھے جب وفات ہو گئی تو السلام علی النبیؐ پڑھتے تھے اور یہ اسناد صحیح ہے فتح الباری ص ۵۷

ان روایات سے ظاہر ہے کہ جو صحابہ وفات شریف کے بعد آپؐ کو غائب کا سلام یعنی غائب قرار دیکر سلام پڑھتے تھے اُن کو یا رسول اللہ کہنے کی چیز نہیں تھی بلکہ وہ حضرات فقط جاہلوں اور وہم پرستوں کو بتانا چاہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اب ہمارے سامنے حاصر نہیں ہیں ، سلام کہنے والے کا سلام آپؐ خود نہیں سنتے بلکہ فرشتے پہنچاتے ہیں اس لیے ہم غائبانہ سلام پڑھتے ہیں۔ گو آپؐ کی موجودگی میں بھی نماز کے اندر آہستہ سلام پڑھا جاتا تھا کیونکہ اللہ کی جناب میں دعا ہے اور دور کی مسجدوں میں بھی نمازی جب نماز میں سلام پڑھتے تو کسی کا عقیدہ یہ نہیں تھا کہ آپؐ کہہ رہے ہوں ، کیونکہ اللہ کو سنا مقصود ہے۔ پھر بھی وفات شریف کے بعد سلام بدلنے کا مقصد یہ تھا کہ کسی زمانہ میں کوئی بدعتی جاہل یہ گمان نہ کرے کہ آپؐ سلام سنتے کے لیے میرے سامنے حاصر ہیں اور میں آپؐ کو مخاطب کر رہا ہوں۔ پھر جو صحابہ مثلاً حضرت عبداللہ ابن مسعود اور سیدنا عمر بن خطابؓ نے تو منبر پر بیٹھ کر

کر لوگوں کو السلام علیک ایہما السنبتی سکھاتے تھے۔ اُن کا مقصد یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھائے ہوئے الفاظ میں تبدیلی نہ ہو۔ اسی لیے امت کی اکثریت حاضر کے لفظ پر قائم ہے اور معلوم ہے کہ بعض صحابہ نے جو تشہد روایت کیا ہے وہ غائبانہ الفاظ ہی ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ تشہد میں یوں سلام پڑھتے السلام علی السنبتی ورحمة اللہ پھر جب سلام پھیرتے یعنی نماز سے فراغت کے وقت تو یوں کہتے السلام علی السنبتی ورحمة اللہ وبرکاتہ (موطا امام مالک ص ۳)

اور سیدنا علیؓ کا تشہد جو شفا میں ہے وہ یوں ہے :

السلام علی نبی اللہ السلام علی انبیاء اللہ ورسولہ
السلام علی رسول اللہ السلام علی محمد بن عبد اللہ
السلام علینا وعلی المؤمنین۔

(دیکھو شفاء مع شرح حضرت ملا علی قاریؒ ص ۱۳۲)

اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ صحابہ میں حاضر کا لفظ چھوڑ کر غائبانہ سلام پڑھنے والے کس قدر عالی مرتبہ بزرگ موجود تھے تو یہ اپنے ذوق پر مسائل کی تحقیق سے چڑا کی بات نہیں ہے۔

حضرت تنیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں اگر مراد ایں وارنہ کہ خطاب انحضرت باوجود غیبت از خصائص است نیز وجہ دارد۔ اگر یہ مراد رکھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غائب ہونے کے باوجود مخاطب کرنا آپ کی خصوصیات میں سے ہے تو یہ بھی ایک معقول بات ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ چونکہ مراجع کی رات رب العزت کی طرف سے آپ پر جو سلام آیا وہ مخاطب اور حاضر کے لفظ سے تھا اس لیے اس کے بعد بھی اسی شکل پر چھوڑ دیا گیا۔ شیخ کے تین لفظ قابل غور ہیں، در زمان حضور حیات اور باوجود غیبت۔ علماء کی تحقیق یہی ہے کہ تدریج حقیقی سے درود

سلام کے علاوہ بھی کسی نبی یا ولی کو مخاطب کرنا فریاد سنانا حاجت طلب کرتا سب جانتے ہیں کیونکہ مانگنا مقصود نہیں ہوتا۔ حضرت امام فاسیؒ کا حوالہ اس مسئلہ میں بڑی سند ہے۔ امام فاسی کا مقام علمی ذیاب اعلیٰ حضرت بریلوی سے بڑھ چھوٹے۔ بزرگان دین کے ذوقیہ اشعار میں استمداد کی شکل پر ندامت اور پکار اسی اصول کے ماتحت ہے۔

مستحب پر اصرار اور تنزیع

علامہ مفتی صاحب نے ایک اور اصول بیان فرمایا ہے :
مستحب کو مستحب سمجھنے کے لیے کبھی کبھی ترک کر دینا ضروری نہیں بلکہ اسے مستحب سمجھنا ہی کافی ہے۔۔۔۔۔ بلکہ حدیث شریف میں مستحب عمل کو دائمی طور پر اور جہت پر پڑھنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہتر فرمایا۔۔۔۔۔ غرضیکہ کسی فصل کے بغیر اذان کے ساتھ درود شریف پڑھنا مستحب اور مسنون ہے۔

رسالہ مفتی صاحب ص ۲۱۲

جواب : تعجب ہے کہ مفتی صاحب کو حدیث افضل الاعمال ادومہ تو یاد ہے لیکن نوافل کو شہرت دینے کی ممانعت اور گھروں میں خفیہ ادا کرتے کا حکم بھول گیا۔ عمل میں تو درود و سلام کو شعرا اسلام بنا کر اذان کے ساتھ ادا کرتے ہیں بلند آواز سے اور عقیدہ میں مستحب قرار دیتے ہیں بلکہ سرچا جائے تو درود شریف کے ساتھ اذان پڑھتے ہیں۔ مفتی صاحب دین میں کوئی ایسا عمل دکھائیں جو مستحب ہو اور اسے شعائر اسلام کی طرح مسیحوں میں کسی شعائر کے ساتھ ملا کر با آواز بلند پڑھایا ادا کیا جاتا ہو۔ نقلی عبادات کو مشتبہ کرنا دین کے مزاج اور احتیاطی تدابیر کے خلاف ہے۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے یہ نقلی نمائندگیوں میں پڑھا کر دیکھو کہ آدمی کی بہترین نماز وہ ہے جو گھروں میں ہو فرض کے سوا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ گھر کی نماز

افضل ہے مسجد کی نماز سے۔ آپ کے قول و عمل سے ثابت ہے کہ نوافل ہمیشہ شہرت اور اعلان سے خالی ہوتے ہیں اور جماعت نوافل چند اتفاقی تقریبات کے بغیر ثابت نہیں ہے۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ بدعات نصف شعبان بدعت رجب نماز رغائب جو رجب کی پہلی جمعرات کو اجتماعی شکل میں پڑھی جاتی تھی، علماء اسلام نے ایسی تمام بدعات کو بالاتفاق منسوخ قرار دیا۔

وکیعہ البحر الرائق ص ۵۲ فتاویٰ شامی ص ۶۶۱

مولانا علی القادری کی تحریر کے مطابق نصف شعبان کی ہزاری نماز کو نماز رغائب سمیت جاہل امام مسجدوں نے کمائی کا ڈھنگ بنایا ہوا ہے۔ ۴۸ ہجری میں یہ بدعت پیدا ہوئی تو علماء کے متفقہ مقابلہ کے باوجود آٹھویں صدی کے شروع میں ختم ہوئی۔ - مرقاۃ ص ۱۹۸

امت کی تاریخ میں سیاہی کے دہسے یہ متفقہ بدعات آپ حضرات کو غورو فکر کی دعوت دیتے ہیں۔ ان چیزوں کے خلاف اس وقت کے علماء کا متفقہ فیصلہ کس بنیاد پر تھا۔ نفلی عبادت تھی نماز کے تمام ارکان باقاعدگی سے ادا ہوتے راتیں بھی مبارک ہیں۔ لوگوں کے ذوق و شوق کا حال قادی صاحب سے پوچھئے کان للحوام بلہذا الصلوة افتتان عظیم۔ عوام اس نماز کے سخت گرویدہ تھے یا لوگ اس نماز کے فتنہ میں پڑے ہوئے تھے۔ عوام الناس جب بھی کسی بدعت کے پیچھے پڑتے ہیں تو اسے کھیل تماشا اور فضول شغل بنا دیتے ہیں چنانچہ بھی ہوا بہت زیادہ برائیاں اس رات ہونے لگیں۔ پھر معاملہ یہاں تک پہنچا کہ مرد عورتیں اس رات نماز کے بہانہ سے آوارہ ہو کر گناہوں میں مبتلا ہو گئے۔ قادی صاحب کے الفاظ یہ ہیں کہ اولیاء اللہ عذاب نازل ہونے کے خوف سے شہروں کو چھوڑ کر جنگلوں کی طرف جھاگ گئے۔ غور کرتے سے معلوم ہو گا کہ خلاف سنت کام لینے بدعات یعنی نوافل کو علانیہ یا اجتماعی شکل دینا براہیوں کی پڑ ہے۔

بدعت کی ابتداء

اب یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ یہ بدعت کیسے شروع ہوئی۔ ہر بدعت کی ابتداء بالکل بھولی بھالی اور مصوم بے گناہ ہوتی ہے۔ امام طوسی علیہ السلام نے فرمایا: مفتی طوسی فرماتے ہیں کہ مسجد بیت المقدس میں رجب اور شعبان کی نقلی نماز کا رواج نہیں تھا۔ ایک دن ایک شخص جس کا نام ابن ابی الحیراء تھا شب براءت کو آگیا نقل نماز کی شکل میں خوش آوازی سے قرآن پڑھنے لگا۔ خوش آوازی سے متاثر ہو کر ایک آدمی اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ پھر دوسرا آیا پھر تیسرا تو نماز ختم ہونے سے پہلے بہت بڑی جماعت جمع ہو گئی۔ اگلے سال وہ پھر آیا تو بڑی مخلوق اس کے پیچھے نماز میں شامل ہو گئی پھر دیکھا دیکھی گھروں میں لوگ پڑھنے لگے۔ پھر جاری ہو گئی یہاں تک کہ آج سنت بن چکی ہے۔ (الاعتصام للشاطی ص ۱۳)

اصل بات یہ ہے کہ قوافل کے انفرادی عمل کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ترویج کے سوا گھروں میں اور الگ الگ ادا کرنے کی ترغیب دی ہے قوافل اور مستحبات جب انفرادی شکل چھوڑ کر اجتماعی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ پھر مساجد میں اصول بن کر ہر روز یا ہر نماز کے ساتھ یا ہر جمعہ کا دستور بن جاتے ہیں پھر بلند آواز کی بدعت بھی شامل ہو جاتی ہے تو اب وہ مستحب مستحب نہیں رہے گا۔ اس کی اصلاح کا طریقہ صرف ایک ہے کہ اس کی علانیہ صورت بالکل ختم کر دی جائے۔

نہرک مستحب کی دلیل

چنانچہ حضرت قادی کا ارشاد غور سے پڑھیں۔ مَنَعَ اَمْرًا عَلٰی مَنَعٍ وَجَعَلَهُ عَزْمًا وَلَمْ يَحْمِلْ بِالرَّخْصَةِ فَقَدْ اَصَابَ مِنْهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْاَضْلَالِ۔ جو شخص کسی مستحب کام پر اصرار کرے اور اسے عزیمت بنائے رخصت پر عمل نہ کرے تو شیطان اس کو گمراہ

کہنے میں کامیاب ہوا۔ جب مستحب پر اصرار کا یہ حال ہے تو کسی بدعت یا رے کام پر ضد کرنے کا کیا حال ہوگا۔ قاری صاحب کے الفاظ یہ ہیں :

فكيف من أصرت على بدعة أو هتك من ۳۵۳ مرة شريف

حضرت قاری علیہ رحمۃ الباری نے یہ اصول سیدنا عید اللہ بن مسعود کے اس قول کی شرح میں فرمایا ہے کوئی شخص اپنی نماز کا کچھ حصہ شیطان کو نہ دے اس اعتقاد کی بنا پر کہ نماز ختم کر کے دائیں طرف مڑنے پھیرنا ضروری ہے کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار بائیں طرف بھی پھرتے دیکھا۔

ترک مستحب کی دوسری دلیل

دوسری دلیل بھی حاضر ہے کہ مستحب عمل کو کسی مخالط سے بچنے کیلئے چھوڑنا بہتر ہے سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن صبح کی نماز میں سورہ سجدہ پہلی رکعت میں اور سورہ دھر دوسری رکعت میں پڑھتے تھے۔ حدیث سے اتنا تو معلوم ہوا کہ آپ کا دائمی نہ سہی اکثری عمل تو تھا جیسا کہ علماء کی تصریحات بھی موجود ہیں۔ سنت نہ سہی تو مستحب ہونا یقینی ہے۔ پھر بھی حنفیہ اور مالکی علماء نے تو مطلقاً اس عمل کو جاری نہ رکھا کہ مستحب کی پابندی سے عوام اس کو ضروری بنا لیتے ہیں جیسا کہ جاہل لوگ نوافل کو بھی فرائض کا حصہ سمجھتے ہیں لیکن شافعی حضرات اس عمل کو سنت یا مستحب سمجھ کر پابندی کرنے لگے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلی رکعت میں سجدہ تلاوت دیکھ کر اخاف عوام یہ سمجھے کہ شافعی حضرات صبح کی نماز تین رکعت پڑھتے ہیں اور شافعی عوام کو یہ مخالط ہوا کہ پہلی رکعت میں جمعہ کی صبح کو سورہ سجدہ اور دوسری میں سورہ دھر لازمی اور فرضی کام ہے۔ آخر کار شافعی علماء بھی اس بات کے قائل ہوئے کہ عوام کی حفاظت اور نگہبانی کے لیے اس مستحب کو کبھی بھی چھوڑنا بہتر ہے۔ چنانچہ امام ابن دقیق العید شافعی مسلک کے منازع عالم دین کا قول ملاحظہ ہو۔

لكن اذا استثنى الحال الى وقوع هذه المفسدة فينبغي ان تترك
احياناً لتندفع -

لیکن جب معاملہ اس خرابی تک پہنچا ہے تو مناسب ہے کہ اس عمل کو
کبھی کبھی چھوڑ بھی دیا جائے تاکہ لوگوں کا معاملہ فور ہو سکے۔ آگے فرماتے ہیں

فان المستحب قد يترك ليدفع المفسدة المتوقعة

کیونکہ مستحب کو بھی متوقع خرابی سے بچنے کے لیے ترک کر دیا جاتا ہے
یعنی مستحب کی پابندی سے خرابی پیدا تو نہیں ہوتی لیکن فساد یا بگاڑ کی توقع ہے
تو مستحب کو ترک کر دیا جاتا ہے خرابی اور بگاڑ یہ ہے کہ مستحب کی پابندی سے
عوام اسے دین کا ضروری اصول سمجھ لیں گے آگے فرماتے ہیں :

اور یہ خرابی چھوڑ دینے سے اور ترک کرتے بعض اوقات دور

ہو جاتی ہے چنانچہ ابن عربی کا قول ہے مناسب ہے کہ ایسا کام جو

حدیث سے ثابت ہے عام طور پر ترک کیا جائے لیکن کبھی کبھی عوام

کی اصلاح کے لیے چھوڑا بھی جائے تاکہ عوام اس مستحب کو

سنت نہ بنالیں اور سنت مستحب میں فرق کرنے کا طریقہ اور قاعدہ

یہی ہے - فتح الباری شرح صحیح بخاری ص ۱۹

حضرت مولانا علی قادری نے اور بھی زیادہ وضاحت فرمائی ہے ملاحظہ فرمائیں

وقال جمع من الشافعية الخ ترجمہ

شافعی حضرات کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ یا تو امام جمعہ کے دن

صبح کی نماز میں ان دونوں سورتوں کو پڑھنا کبھی کبھی چھوڑ دے

یا پھر سجدہ کی آیت پر سجدہ نہ کرے کیونکہ عوام کا اعتقاد ہے چکا ہے

کہ جمعہ کی صبح کو ان دونوں سورتوں کا پڑھنا ضروری ہے اور جو امام

اہ شوافعہ کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے -

مسجد جمعہ کے دن صبح کی نماز میں یہ دونوں سورتیں نہ پڑھے۔ شافعی مذہب کے عوام اس پر انکار کرتے ہیں بڑا سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد قاری صاحب فرماتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس پابندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض عوام یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ شافعی مذہب میں جمعہ کے دن صبح کی نماز تین رکعت ہے۔ اس مخالطہ کی وجہ ایک مستحب کی سخت پابندی ہے اسی لیے حنفیہ اور مالکیہ نے اس عمل کو بالکل چھوڑ دیا کہ عوام جہلاً کو مخالطہ نہ ہوتے ان کو یعنی شافعی حضرات کو بھی ایسا کیا کریں۔

مرقاۃ شریف ص ۲۹۴

علماء بریلی کی خدمت میں ہمدردانہ ای میل

شیخ المشائخ حافظ حدیث علی الاطلاق یگانہ آفاق علامہ عسقلانی اور سید العلماء و الفقہاء والمحدثین مولانا علی قاری کے ارشادات کے بعد مولانا احمد علی قصوری اور مولانا مفتی غلام سرور اور دیگر علماء بریلی کی خدمت میں گزارش۔

آپ حضرات آج تک اس خاص مسئلہ پر کوئی حدیث ضعیف یا علمائے سلف کا قول و عمل پیش نہیں کر سکے اور ضعیف حدیث سے کسی عمل کا سنت ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ چنانچہ علامہ بریلوی بھی فتاویٰ رضویہ میں فرماتے ہیں :

ان الاستان لا یشیت الحدیث الضعیف فتاویٰ رضویہ ص ۱۱

پھر آپ لوگ درود شریف کو تو ہزار بار مستحب اعلیٰ درجہ کی عبادت قرابت کہہ سکتے ہیں لیکن اذان سے قبل بلند آواز کے ساتھ اعلان درود شریف کا جواز بھی ثابت کرنا مشکل ہے کیونکہ سائے دین میں اس کام کی کوئی نظیر اور مثال نہیں ملتی۔ مستحبات کا اعلان تشہیر دین کے مزاج میں نہیں ہے۔

بندہ کے دلائل پر آپ خدا کے لیے غور فرمادیں۔ افقر الصحابہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا ارشاد آپ کے سامنے ہے۔ نماز ختم ہونے کے بعد واپس آنا ہر طرف سے مباح ہے لیکن بعض صحابہ نے دائیں طرف کو پھرنا بہتر قرار دیا اور یہ سمجھا کہ دائیں طرف کو پھرنا مستحب ہے۔ مستحب کو پابندی سے ادا کرنے لگے تو حضرت عبداللہ نے فرمایا ایک مستحب کام پر اصرار سے شیطان نماز میں حصہ دار بن جاتا ہے تو اس حدیث کی شرح میں حافظ صاحب نے فرمایا :

المسند و بات قد تنقلب مکروہات اذا رفعت عن رتبها ۱۲
مستحبات کبھی الٹ کر مکروہات بن جاتے ہیں جبکہ ان کو ان کے درجہ سے اونچا اٹھالیا جائے کیونکہ دائیں طرف کو ترجیح دینا ہر بات میں مستحب ہے یعنی عبادت کے امور میں۔ لیکن جب حضرت عبداللہ کو محسوس ہوا کہ لوگ اس مستحب کو فردی اور واجب ماننے لگے ہیں تو اس عمل کو مکروہ قرار دیا۔
فتح الباری ص ۲۸۲

چونکہ ایسی بات صحابی اپنے گمان یا رائے سے نہیں کہہ سکتا۔ اس لیے حضرت عبداللہ کا یہ ارشاد تعلیم نبوی کی بناء پر ہو سکتا ہے۔ مستحب بھی ایسا جو ایک شخص کا ذاتی اور انفرادی عمل ہو لیکن ایسا مستحب جس کی تشہیر اور اعلان سارے شہر میں کیا جا رہا ہے یہ اجتماعی عمل ہے۔ یہ عقیدہ اور تفرقہ پسندی کا نشان بن چکا ہے جس کو جاہل عوام اور ایک فرقہ کے علماء نے عزت اور ناموس کا نشانہ بنا رکھا ہے۔ حضرت عبداللہؓ اگر اس کو دیکھ لیتے تو شیطان کا مضبوط قلعہ کیوں نہ قرار دیتے۔ تھوڑی دیر کے لیے اگر بالفرض اس عمل کو مستحب ہی مان لیں تو ایک مستحب پر اتنا اصرار اتنی ضد اتنا جھگڑا اتنے اختلاف کا جواز کیا ہے اور اس ضرورت میں مستحب کیوں رہے گا۔

عوام کی نظر میں صرف پابندی کا نام دین ہے۔ فرض سنت نفل کا نام تو عوام جانتے ہیں مگر فرق نہیں جانتے۔ اتنا جانتے ہیں کہ نوافل بیچ کر

پڑھنا ضروری ہے اور بس۔ اللہ نے فتنہ کو قتل سے سخت بتایا۔ تجربہ کیلئے ایک دن کسی مؤذن کو کہہ دیجئے آج اذان سے پہلے درود شریف آہستہ پڑھنا اول مانے کا نہیں لیکن اگر مان گیا تو دیکھتے جب نمازیوں سے مسجد بھر جائے گی تو وہ شوہر بچے کا کہ خدا کی پناہ۔ آج کون دہائی یہاں آگیا کس نے اذان کہی تھی درود شریف کے دشمن کہاں سے آگئے۔ لڑنے مرنے پر تیار ہو جائیں گے اور خدا نخواستہ اگر مؤذن نے آپ کا نام بتا دیا تو آپ کی بھی خیر نہیں۔ یہ ہے آپ کا مستحب۔

حضرات فقہائے عوام کو ہر قسم کے مغالطہ سے بچانے کا پورا فکرم کیا ہے حنفیہ اور مالکیہ نے تو بخاری اور مسلم کی متفق علیہ روایت کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی یا اکثری عمل ماننے کے باوجود عوام کو مغالطہ سے بچانے کی خاطر یہ عمل ترک کر دیا۔ رہے شافعی حضرات تو ان کی ایک فقیہ جماعت نے اصولاً اس بات کو مان کر گاہ بگاہ چھوڑنے کا اعلان کر دیا ہے تو یہ سنت دائمی یا عمل اکثری کا ترک آپ حضرات کے لیے بھی قابل غور ہے۔ حضرت قاری کا جملہ قابل توجہ ہے۔

لان العامة یعتقدون وجوب قرائۃ ذالک و

ینکرون علی من ترک ذالک

کیونکہ شافعی عوام ان دونوں سورتوں کا پڑھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور جو امام نہ پڑھے اس کو بڑا جانتے ہیں (انکار منکر پر ہوتا ہے اور منکر معروف کی ضد ہے)۔

نوافل پوشیدہ ادا کرنے کی دلیل

اس سلسلہ میں ایک گزارش یہ بھی ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ چاشت کی نماز صلوٰۃ الفلحی میں نے پڑھتے ہوئے آنجناب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو خود کبھی نہیں دیکھا لیکن خود میں اس اہتمام سے پڑھتی ہوں کہ اگر میرے ماں باپ پھر حرج اٹھیں تو اُن کی خوشی میں یہی نہیں چھوڑوں گی۔ کبھی پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن علم حاصل ہے کہ کبھی کبھی آٹھ رکعت پڑھتے تھے نوافل میں انفرادیت کی حد ہے۔

تنزیہ کا بیان

مفتی صاحب فرماتے ہیں فقہانے آذان کے بعد جماعت سے کچھ پہلے تنزیہ کو مستحب قرار دیا ہے۔

جواب : اب حضرت مفتی نے پندرہ کی ایک بات فرمائی ہے۔ آذان کے بعد اقامت سے کچھ پہلے تنزیہ۔ مفتی صاحب کو معلوم تو ہو گا کہ آذان سے کس قدر بعد اور اقامت سے کتنا پہلے۔ اسی بات کو اگر کھول کر بتا دیتے تو ساری سازش اور منصوبہ ناکام ہو جاتا۔ معلوم ہے کہ ظاہر الروایت میں اس وقفہ کا بیان مجمل ہے اس لیے ہدایہ کی عبارت لکھ دی لیکن حسن بن زیاد نے جو امام ابوحنیفہ سے تفصیلی وقفہ کی روایت ہے اسے چھوڑ دیا ہے۔ وہ تفصیل یہ ہے۔

تنزیہ یعنی آذان کے بعد دوبارہ لوگوں کو اطلاع دینا۔ یاد دہانی اس کا وقت صحیح روایت کے مطابق آذان کے بعد ہے۔ حسن کی روایت کے مطابق مؤذن آذان کے بعد بیس آیات پڑھنے کی مقدار چھڑ کر دوبارہ بلند آواز سے حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح دودوبار کہے پھر اتنی دیر یعنی بیس آیات کی تلاوت کا وقت اور ٹھہر جائے پھر اقامت کہے۔ لیکن یہ دونوں لفظ ضروری نہیں ہیں کسی شہر کے لوگوں میں جو لفظ بھی اطلاع کے لیے سوجھ ہو جائے وہی کافی ہے مثلاً نماز نماز دودفعہ تیار تیار دوبار یا مثلاً صلوٰۃ و سلام کے الفاظ برائے تنزیہ کیونکہ درود و سلام مبارک کلمات ہیں یہ نسبت دوسرے الفاظ کے بہتر ہے۔ آذان و اقامت کے درمیان مغرب

کی نماز کے علاوہ باقی نمازوں میں بیٹھنا بھی سنت ہے اور مغرب کی نماز میں تین چھوٹی آیات کی مقدار وقت میں خاموشی یہی فاصلہ ہے تو صبح کی اذان میں اور اقامت میں چالیس آیات کا فاصلہ ہوا۔ ظہر کی اذان اور اقامت کے درمیان چار رکعت سنت میں تقریباً دس آیات پڑھے اتنا فاصلہ۔ اتنا ہی عشاء کے وقت اور عصر میں فاصلہ ہی ہے لیکن مفتی صاحب کے ہاں پیمانہ سانس کا ہے۔ ایک سانس میں صلوٰۃ وسلام اور دوسرے سانس میں اذان۔ دیکھو ص ۲

وقف اور وقف پھر وقف کی قسمیں اختیاری اور اضطراری پھر قرن قرائت کے مسائل۔ وقف کی تعریف اذان میں ترسیل اور اقامت میں حذر۔ پھر اختیاری کی تین قسمیں پھر یہ عجیب و غریب فلسفہ کہ قراء کا وقف اور فقہاء کا فصل ایک ہی چیز ہے۔ ص ۵۱ سے چل کر ص ۵۶ تک نہایت بے موقع بے محل بے معنی اور خارج از بحث باتیں لکھی ہیں اور مغرب کے وقت کا فاصلہ جسے فقہاء کہتے ہیں جو دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی مقدار ہے یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنے کا وقت اس کو پوری وضاحت سے بیان کیا اور ظہر عصر عشاء اور صبح کی اذان و اقامت میں جو آدھ پون گھنٹہ فاصلہ ہوتا ہے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تشریب کا مسئلہ چھیڑ کر دیا لیکن اس کی وضاحت سے مشکل پیش آئے گی۔ اتنے بڑے بڑے فاصلے درود شریف اور اذان میں ہو جائیں تو بدعت کی موت واقع ہو جائے گی۔ مفتی صاحب نے درود وسلام اور اذان کو قرآن مجید کی مسلسل تلاوت کا حکم دے کر وقف ہم کا وقفہ دس بار کیکنڈ قرار دیا۔ شاباش! فقیہ ہوں تو لیجئے۔

معلوم ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان اچھا وقفہ حدیث سے بھی ثابت ہے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا اپنی اذان اور اقامت کے درمیان اتنا وقفہ کرو جس سے کھانا کھائے والا کھا کر فارغ ہو جائے اور پیئنے والا پیئے سے فارغ ہو جائے اور قضا حاجت والا حاجت ضروری سے فارغ

ہو جائے (مشکوٰۃ باب الاذان) فراغت کے بعد مسجد کو آنے اور وضو کرنے میں بھی وقت خرچ ہو رہا ہے۔

بیشک سلف صالحین تو صبح کے سوا کسی نماز میں تثویب کو پسند نہ فرماتے تھے چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق ثابت ہے کہ آپؓ نے مسجد میں کسی شخص کو صبح کے علاوہ کسی نماز میں تثویب کرتے سنا تو آپؓ نے اپنے ساتھی کو فرمایا اٹھو اس بدعتی کے پاس سے نکل چلیں کہیں اویسی مسجد میں جا کر نماز پڑھیں اور جناب عیسیٰؑ نے ایسے موقعہ پر فرمایا اس بدعتی کو اس مسجد سے نکال دو۔ (مرقاۃ ص ۵۳) البحر الرائق میں بھی تقریباً ایسا ہی لکھا ہے لیکن حضرات متاخرین نے استحسان کے دھجے میں اسے جاڑا دکھا ہے اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ جناب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے لیے جا رہے تھے تو راستہ میں جو بھی ملتا اس کو نماز کے لیے بلاتے اور سونے ہوئے کو دیکھتے تو کہہ کر بوجہ اپنے پائے مبارک سے اُس کو ہلا دیتے۔ یہ بھی تثویب معلوم ہوتی ہے حنفی مسک کے لوگ تو تثویب کو بدعت نہیں کہتے کیونکہ تثویب کسی قدر عہد نبوت میں ثابت ہے۔ اہل حدیث حضرات ہو سکتا ہے کہ بدعت کہتے ہوں لیکن فقہار حنفیہ نے جس قدر وقفہ اذان اور اقامت میں تجویز فرمایا ہے اس کے ہوتے ہوئے عوام کو کسی قسم کا مخاطب تو نہیں پیدا ہوتا۔

حقیقت میں سب سے بڑا مخاطب تو عوام کو مخاطب سے بچنا ہے یعنی جب کس رسم کو پابندی سے کیا جائے گے تو اسے دین کا حصہ سمجھ لیتے ہیں۔ تثویب صبح کے لیے تو حدیث سے ثابت ہے باقی نمازوں کے لیے مانع تو نہیں اور ترمذی کی حدیث لا تثویب فی شیئی من الصلوات بقول امام ترمذی ضعیف ہے۔ اسی لیے شیخ ابن حجرؒ فرماتے ہیں ہمارے علماء یعنی شافعی حضرات نے چار باقی نمازوں میں تثویب کو اس حدیث کی بناء پر منع نہیں کیا کیونکہ اس حدیث کا ضعیف ہونا ثابت ہے بلکہ من احدث فی امرنا الحدیث سے ہمانعت ثابت ہوتی ہے۔ قاعدہ

استحسان اثر اربعہ کے مال ثابت اور مسلم ہے بلکہ اسلام کے بنیادی دوسریں بھی ملحوظ ہے۔
 نفوذ کا قرض کے طور پر لینا دین اور بیع سلم پھر درخت پر نہ پکے ہوئے پھلوں
 کی بیع سے منع کرنے کے باوجود غریب کی اجازت قاعدہ استحسان کا اصل ہے بیع
 کی نماز کے لیے تشریب کی اجازت غفلت کی بناء پر تھی اب جاگتے ہوئے غافلوں
 پر بھی اس حکم کو قیاس خفی سے پھیلا دیا گیا۔ یہ حضرات متاخرین فقہاء کا مقام
 ہے۔ بدعت اور استحسان میں فرق واضح ہے۔ ایک قیاس کو چھوڑ کر دوسرے
 قیاس پر عمل کرنا کسی واقعی ضرورت کی بنا پر استحسان ہے یا ایک دلیل سمجھو دوسری
 دلیل کی طرف اور عبادت کے شوق میں اپنے پاس سے کوئی نیا طریقہ اختیار کرنا
 بدعت ہے۔

حضرت مفتی کا ارشاد

یہ بات مسلم ہے کسی چیز کا ثبوت نہ ملنا اس کے ممنوع اور ناجائز ہونے کی
 دلیل نہیں (۲۶) ممنوع اور ناجائز ہونے کے لیے دلیل شرعی کا وجود ضروری ہے۔
 جواب: ثبوت نہ ملنا بے ثبوت ہوتا غیر منقول ہوتا ہمیشہ سے اس کا نہ ہوتا
 اور آج دین منکر سامنے آجاتا بدعت ہونے کی دلیل ہے کیونکہ ہمیشہ سے علماء
 دین غیر منقول باتوں کو بدعت کا خطاب دیتے آئے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں فتاویٰ
 شامی کی چند مثالیں حاضر ہیں۔

۱۔ بعض خطیب دو سکر خطبہ میں درود شریف پڑھتے وقت دائیں طرف اور
 بائیں طرف مٹنہ پھیرتے ہیں کسی کتاب میں اس عمل کا ذکر نہیں ہے
 کہیں میں منقول نہیں ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ بدعت ہے اس لیے
 اسے ترک کرنا مناسب ہے تاکہ سنت کا وہم نہ ہو پھر میں نے امام نووی
 کی کتاب منہاج میں دیکھا کہ کسی خطبہ میں ہی ابن حجر نے اس کی شرح میں
 لکھا کیونکہ یہ بدعت ہے۔ فتاویٰ ستی ص ۵۵

دیکھئے منقول نہ ہونے کی وجہ سے بدعت ہے۔

۲۔ شیخ ابن حجر نے تحفہ میں لکھا ہے کہ آج کل جو رسم شروع ہوئی ہے کہ خطیب حضرات دوسرے خطبہ میں منبر کے نچلے درجہ پر اتر کر پھر اوپر چڑھ جاتے ہیں یہ قبیح بدعت ہے یعنی بدعت بدعت ہے (فتاویٰ شامی ص ۵۵)

۳۔ لان ذکر اللہ الخ کیونکہ ذکر الہی کو جب قصداً اور ارادہً کسی خاص وقت کو چھوڑ دوسرے وقت کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے یا ایک چیز کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے جو شریعت کی طرف مقرر نہیں تھی جس کا حکم نہیں تھا تو وہ خلاف شرع ہوگا۔ البحر الرائق ص ۱۵۹

معلوم ہوا کہ ہر قسم کی تخصیصات اور تعینات خلاف شرع اور خلاف مشروع ہیں۔ تخصیص الذکر الخ کسی ذکر کو کسی وقت کے ساتھ مخصوص کرنا جو شرع میں نہیں آیا ناجائز ہے۔ جو شریعت میں منقول نہیں ہے وہ وقت اپنی طرف سے مقرر کرنا غیر مشروع اور ناجائز ہے۔ فتاویٰ شامی ص ۵۵۷

۵۔ لانہ لم یقتض کیونکہ وتر کی جماعت علاوہ رمضان نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے نہ کسی صحابی سے۔ اس لیے یہ بُری اور ناپسندیدہ بدعت ہوگی۔ کبیری شرح منبہ المصلی ص ۱۰۱

۶۔ جو اذکار دین میں آئے ہیں اُن پر بس کرنے میں اشارہ ہے اس بات کا کہ میت کو قبر میں داخل کرتے وقت اذان کہنا سنت نہیں ہے جیسا کہ آجکل لوگوں کی عادت ہے۔ ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں واضح طور پر لکھا ہے کہ یہ اذان بدعت ہے اور جس نے یہ گمان کیا کہ یہ سنت ہے بچہ کی پیدائش کے وقت پر قیاس کرتے ہوئے کہ انتہاء و ایتداً ایک ہو جائے اس نے غلطی کی۔

اور ہمارے علماء نے وضاحت سے لکھا ہے کہ نمازوں کے بعد مصافحہ مکروہ ہے گو مصافحہ سنت ہے لیکن وجہ یہ ہے کہ اس خاص موقع پر مصافحہ

منقول نہیں ہے تو اس کی پابندی سے عوام کو سنت ہونے کا وہم پیدا ہو گا
اسی لیے لوگوں کو صلاۃ الغائب سے منع کیا گیا ہے جس کو بعض متعبدین
نے ایجاد کیا تھا کیونکہ یہ نماز خاص راتوں میں اس طریقہ سے منقول نہیں
ہے۔ فتاویٰ شامی ص ۶

۷۔ ساتواں نمبر اعلیٰ حضرت بریلوی کے فتاویٰ النفاثات المرغوبہ فی
حکم الدعاء بعد المکتوبہ سے لیا ہے۔ سنن نوافل سب سے
فارغ ہو کر امام کا جماعت کے ساتھ دعا مانگنا کہیں منقول نہیں
یہ طریقہ لائق ترک ہے۔ ص ۵۱
بے ثبوت اور غیر منقول ہونا شرعی دلیل ہے غیر مشروع اور ناجائز کی اور
قابل ترک کی۔

۸۔ تلج الشریعت نے شرح ہدایہ میں فرمایا ہے کہ اُہرت پر قرآن پڑھنے سے
پڑھنے والا بھی ثواب کا حقدار نہیں ہوتا اور نہ میت کو ثواب ملتا ہے
اور علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں فرمایا ہے کہ مال دنیا کی خاطر قرآن پڑھنے
والے کو منع کیا جائے۔ لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہوں گے خلاصہ
یہ ہے کہ ہمارے زمانہ میں جو پائے اُہرت پر پڑھنے کا رواج ہے یہ جائز
نہیں ہے کیونکہ پڑھ کر ثواب پڑھانے والے کو دیا جاتا ہے اور پڑھنا مال کے لیے ہے
جبکہ پڑھنے والے کو نیت کی خیرائی کی وجہ سے ثواب نہیں ہوتا تو پڑھوانے والے
کو ثواب کہاں سے ملے گا۔۔۔۔۔ قرآن مجید کی تعلیم پر تو اُہرت ضرورت
کی بنا پر جائز ہے لیکن پڑھنے پر اُہرت باطل ہے اور یہ بدعت ہے۔
کیونکہ خلفاء راشدین سے ثابت نہیں ہے۔

فتاویٰ شامی ص ۳۵ (اجارہ فاسدہ)

۹۔ الطریقۃ المحمدیہ کی تیسری فصل میں بدعتی اور باطل امور میں یہی
لکھا ہے۔

باطل بدعتوں میں سے ایک یہ بھی ہے جس پر لوگ نیکی سمجھ کر اُلٹے ہوئے ہیں کہ میت کی طرف سے کھانا پکھانا اور موت کے دن یا اس کے بعد مہمان نوازی کرتا اور قرآن مجید پڑھنے والوں کو پیسے دینا اس کی روح کو ثواب پہنچانے کی خاطر یا کلمہ شریف پڑھا کر پیسے دینا یہ سب بری اور باطل بدعتیں ہیں پیسے لینے والا تلاوت کے لیے گنہگار ہوگا۔ فتاویٰ شامی ص ۳۵

حضرات مجتہدین اور فقہاء بھی بہت سی بدعتوں کے موحد تھے

مفتی صاحب فرماتے ہیں۔ صحابہ و تابعین کرام کے بعد یہ شمار اچھے کام رائج ہوئے اور بزرگانِ دین نے رائج کیئے..... بعد کے فقہاء اور علماء نے اخلاص کی کمی عکس کر کے ہوئے کچھ مستحبات جاری کیے۔ حدیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم من سنن فی الاسلام سنة حسنة یعنی جو شخص اسلام میں کوئی نئی بات رائج کرے گا اسے ثواب ملے گا۔ اور اس پر عمل کرتے والوں کے برابر ثواب ملے گا۔ اور مطابق قول حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما المسلمون حسناً فہو عند اللہ حسن جس کام کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عند اللہ اچھا ہے۔ اس قسم کے بہت سے کام ہیں مثلاً ہدایہ میں ہے کہ حاجی طواف و دُاع کے بعد جب واپس ہونے لگے تو اس کے لیے مستحب ہے اُلٹے پاؤں پھرنا۔ رسالہ مفتی صاحب ص ۲۸/۲۹

جواب: مفتی صاحب کا مطلب واضح لفظوں میں یہ ہے کہ اجتہاد اور مجتہدین کے جو سات طبقے ہیں ان میں ایک اٹھواں فرقہ بریلوی حضرات کو بھی مان لیا جائے کیونکہ ہم لوگ بھی درجہ اجتہاد میں ہیں حضرات فقہاء کرام کی تخریجات ترحیمات تحقیقات میں ہمارا آذان سے پہلے سلام پڑھنا بھی شامل کیوں نہ ہو۔ چھوٹا منہ بڑی بات اسے کہتے ہیں تو ہماری بدعت میں کیا حرج ہے۔

بدعت جاری کر نیکی دلیل

مفتی صاحب نے یہاں دو دلیلیں پیش کی ہیں۔ پہلی دلیل من سنّ
فی الاسلام پر مبنی ہے۔ من سنّ فی الاسلام سنّة حسنۃ الحدیث
جس نے اسلام میں اچھی سنت جاری کی تو اس کو اپنا اور دوسرے عمل
کرنے والوں کا اور جس نے بُری سنت جاری کی تو اس پر اپنا اور
دوسرے عمل کرنے والوں کا بوجھ ہو گا (حدیث) غور سے معلوم ہو گا کہ حدیث
میں سنت جاری کرنے کا مطلب نئی سنت بن کر دین میں جاری کرنا نہیں
ہے۔ معاذ اللہ یہ تو مسند نبوت پر بیٹھنا ہے بلکہ آپ کی کسی ثابت شدہ
سنت پر عمل کر کے اس کو زندہ کرنا ہے عمل کا نمونہ بن کر دوسرے لوگوں کی
ہمت بڑھانا ہے۔ چنانچہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہو گا فرماتے ہیں:
دن کے پہلے حصّہ میں ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے
کہ ایک جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی جن کے پاؤں میں جوتا اور بدن پر
کپڑا نہ تھا چینی کی کھال پہنے ہوئے گلے میں تنواریں لٹکائے ہوئے انکی اکثریت
قبیلہ مضر سے تھی۔ اُن کی خستہ حالت دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ
انور کا رنگ فق ہو گیا۔ پہلے اپنے گھر تشریف لے گئے (کہ صدقہ کی گنجائش ہو
تو گھر سے دے دیں) پھر نماز کا وقت ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم
دیا۔ پھر اقامت پھر نماز ہوئی پھر آپ نے خطبہ دیا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ الَّذِي

اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی
سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور اُن دونوں کی اولاد سے بہت سے مرد و عورتیں
پھیلا دیں۔

اور دوسری آیت سورہ حشر کی تلاوت فرمائی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص سوچ لے کہ اس نے کل کے لیے آگے کیا بھیجا ہے۔

پھر فرمایا صدقہ کرے آدمی اپنے دینار سے اپنے درہم سے اپنے کپڑوں سے گندم اور کھجور کے ایک پیمانہ سے یہاں تک کہ فرمایا آدھی کھجور سے، تو انصار میں سے ایک شخص اٹھا اور اتنی بڑی تھیلی اٹھا لایا کہ اس کا ہاتھ اٹھانے سے عاجز ہو چلا تھا۔ اس کو دیکھ کر لوگ لگاتار حسب توفیق لانے لگے یہاں تک کہ میں نے دیکھا اناج اور کپڑوں کے دو ڈھیر لگ گئے ہیں۔ اب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اور نموشی سے پچکنے لگا گویا کہ سونے کا پانی چڑھا دیا گیا ہے۔ اس وقت آپ نے فرمایا جو شخص اسلام میں اچھی سنت جاری کرے اس کے لیے اپنے عمل کا اجر بھی ہوگا اور جن لوگوں نے اس کے بعد (یعنی اس کو دیکھ کر) عمل کیے ان کا اجر بھی۔ ان کے اجر میں کمی کے بغیر۔ اور جس نے بُری سنت جاری کی تو اس پر اس کا اپنا بوجھ بھی ہوگا اور اس پر عمل کرنے والوں کا بوجھ بھی۔ (حدیث صحیح مسلم باب فضل الصدقات)

مطلب یہ ہے کہ جو شخص اسلام کے بنیادی اصول مثلاً صدقہ دینے میں اس صحابی کی طرح پہل کرتا ہے اس نے سنت ایجاد نہیں کی بلکہ سنت اسلام کو اپنے عمل سے زندہ کیا۔ مقام غور ہے کہ اچھی سنت کے لیے تو آپ نے فی الاسلام کا لفظ اور فتاویٰ فرمایا اور بری سنت کے لیے فی الاسلام نہیں فرمایا۔ یہ فرق قابل غور ہے کیونکہ بُری سنت اسلام کے اندر نہیں ہے جیسا کہ آدم علیہ السلام کے بیٹے نے قتل کی رسم ایجاد کی تو اب ہر قتل کا گناہ بھی اس پر آتا ہے لیکن جو لوگ بدعات کو باہر سے لاکر اسلام میں ٹھوس دینے کی کوشش کرتے ہیں وہ لوگ چھوڑی ہوئی باتوں کو پکڑتے ہیں۔ سونے ہوئے فتنوں کو جگاتے ہیں بھولی بری باتوں کو سنت کا نام دے کر مسلمانوں کو پریشان کرتے ہیں۔ فضلوا و اضلوا واضح بات ہے کہ اچھی یا بُری سنت کی اچھائی یا بڑائی کس طرح معلوم ہوگی

دین کی طرف سے یا عقل کی پسند سے۔ عقل کی پسند تو معتزلہ فرقہ کا اصول ہے اور دین کی پسند صرف اس طرح ہو سکتی ہے کہ یا تو دین میں اس کا حکم موجود ہو یا دین کے اصول و قواعد سے حضرات فقہاء امت نے اپنے اجتہاد اور غور و فکر سے اسے حاصل کیا ہو جیسا کہ حضرات متاخرین فقہاء نے طواف و دایع میں پیچھے ہٹتے وقت اٹھے پاؤں بوٹن قرآن مجید کے واضح حکم شعائر اللہ کی تعظیم سے لیا ہے جس کا سورۃ حج میں دو دفعہ ارشاد ہوا ہے اور اس پر اللہ کی جناب میں بہتری قرب و قبول اور تقویٰ القلوب کا انعام مرتب فرمایا ہے کیونکہ ادب و اخزام عرنی چیز ہے۔ مثال کے طور پر حدیث میں قرآن مجید کو تکیہ بنا کر سر کے نیچے رکھنے سے منع فرمایا حضرات فقہاء نے اس سے کئی مسائل نکالے ہیں۔ قرآن مجید کی طرف پاؤں پھیلانا اور پر کوئی چیز رکھنا اس کی طرف پیٹھ پھیرنا اس پر پاؤں رکھنا اس کو پھینک دینا۔ تسخیر کا لفظ بولنا جس طرح کتاب کو کتا پچھتے ہیں سب کام منع میں آگئے کیونکہ یہ سب کام ادب عرنی کے خلاف ہیں۔ بیت اللہ اور کلام اللہ کا ادب دین کی شان ہے۔ بدعت کے جواز میں مفتی صاحب نے صحابہ اور تابعین کے بعد کی مثال پیش کی ہے ورنہ بریلوی حضرات تو خلافت راشدہ کے اجماع فیصلوں کو بھی پیش کر دیتے ہیں۔ جمع قرآن وغیرہ اور سیدنا عمرؓ کا قول نعمت البدعۃ تو ڈرتے کو تنکے کا سہارا مل گیا ہے حالانکہ خلافت راشدہ کے تمام متفقہ فیصلے سنت قطعی ہیں۔ یہ اجماع صحابہؓ ہیں۔

دوسری دلیل

جناب مفتی صاحب نے بدعت اور ایجاد احداث اختراع کے جو اند میں دوسری دلیل پر پیش فرمائی ہے۔ سیدنا عبد اللہ ابن مسعود کا قول ہا ما کا المسلمون حسنا الخ جس بات کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کو بھی پسند ہے مسلمانوں سے مراد کیا ہے دنیا کے اسلام کے تمام مسلمان اگر کسی مسئلہ پر متفق ہوں تو یہ

اجماع امت ہے بلاشبہ حق کا معیار ہے لیکن اتفاق نہ ہونے کی صورت میں حق کا معیار کیا ہو گا۔ حدیث شریف میں یہ معیار جماعت ہے فرمایا اللہ کا ساتھ جماعت کے اوپر ہے۔ لوگو تم جماعت کے ساتھ رہنا جماعت سے الگ ہو کر دوزخ میں جا کر دو گے (حدیث) مسلمانوں کی جماعت کو لازم یکٹو (حدیث) جماعت کی ایک تفسیر تو اس حدیث میں ہے ہانا علیہ واصحابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور آپ کے اصحاب کا۔ دوسری تفسیر یہ ہے السواد الاعظم طری آبادی کیا ہے۔ یہی ۳ فرقوں سے نجات پانے والا فرقہ ہے۔ دین میں گنتی اور تعداد کسی خوبی کا معیار نہیں ہے۔ جاہلوں کی کثرت ہمیشہ رہتی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت صحابہ اور اہل بیت کی راہنمائی یہی معیار حق ہے یہی جماعت ہے۔ اسی اصول پر دین کی عمارت قائم ہے۔ بدعت نکالنے والے سنت کے دشمن ہیں کسی اختلاف میں حضرات مجتہدین اور ائمہ دین حق کا معیار میں جمہور اہل اسلام یہی ہیں کیونکہ سنت کو پہچاننے والا ایک عالم دین اکیس دہائیہ کے جاہلوں کا امام ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا:

والمراد الحث علی اتباعہا علیہ الا اکثر من علماء المسلمین ^{۲۳۸} لغات علماء اسلام کی اکثریت کے اتباع پر ترغیب مقصود ہے۔ سواد اعظم اور بڑی آبادی سے مراد علماء اسلام کی اکثریت کا اتباع ہے۔ حضرت قاری نے فرمایا حدیث بتا رہی ہے کہ مسلمانوں کا اتفاق اور اجماع حق ہے اتفاق کا مطلب علماء دین کا اتفاق ہے اور عوام کے اتفاق کا کچھ اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ علم کی بنیاد پر نہیں ہوتا۔ ^{۲۳۹} مرقاة

ایک ارشاد یوں ہے علیہم بالجماعۃ والعامة جماعت کا مطلب علماء کا گروہ ہے اور عوام سے رابطہ رکھنا بھی دین کا حکم ہے میل جول رکھنا تاکہ دین ان کو سمجھایا جاسکے۔ ^{۲۴۰} مرقاة

البیت اکثریت خلیفہ کی بیعت میں مؤثر ہے۔ اعظم الناس العلماء
 بڑے بڑے لوگ علماء ہیں۔ مرقاة ۲۵ اور رسالہ الیہدین میں فرمایا
 المراد بجمع جمیعہم او الجہمہم ورحمہم ارشاد القاری ص ۱۱
 آج اگر انصاف سے دیکھا جائے تو رابطہ عالم تمام دنیا کے مسلمانوں کی متفقہ راہنما
 جماعت ہے اور بریلوی حضرات تو اندھیرے گوشہ میں انا و لا غیر کا شور مچا رہے ہیں
 مفتی صاحب فرماتے ہیں یہ بات کسی کو نہ سوجھی کہ یہ مناسک حج میں زیادتی ہے ص ۲۹
 جواب: کیوں نہیں سوجھی۔ شاید اپنے مناسک القاری نہیں دیکھیں فرماتے ہیں طواف
 وداع سے واپسی کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ تو یہی ہے اور دوسرا طریقہ یہ
 ہے کہ سیدھے رخ چلتا چلے اور بار بار رخ پھیر کر بیت اللہ کی طرف دیکھے
 جدائی کا غم محسوس کرتے ہوئے وقیل بن صوف ویشتی ویلتقت الی البیت
 کا مستحسن علی خواجه۔ پھر فرمایا دوسرا طریقہ زیادہ ظاہر ہے اور اکثر لوگوں
 پر آسان تر ہے اور اس کے ساتھ سب دلائل بھی جمع ہو جاتے ہیں۔

وقال المطرابلسی وما یفعلہ الناس من الرجوع القہقری فلیس
 فیہ سنتہ سرودینہ ولا اثر محکی۔ پھر امام زیلیعی کا قول نقل کیا ہے۔
 ارشاد السادی علی مناسک القاری ص ۱۱

قرآن سے ثبوت

جناب مفتی صاحب نے جلی حروف سے عنوان قائم کیا :
 اذان سے قبل صلوٰۃ و سلام کا قرآن پاک سے ثبوت
 فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے صلوا علیہ وسلموا تسلیما
 اس میں صلوٰۃ و سلام بھیجنے کا حکم عام ہے۔ لہذا اس سے کسی قید و شرط کے
 ساتھ مقید کرنا قرآن کریم کے اطلاق و عموم کی ترمیم و تیسخ کرنا ہر جہت میں درست
 نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کل شرط لیس فی کتاب اللہ فہو باطل ص ۳۱، ۳۲

جواب: اس عبارت کو پڑھتے ہی مفتی صاحب کے علم کی تمام گہرائی سامنے آگئی۔ القاب کی فہرست میں ائمہ اسلام کے نام جو تاخر قائم ہوئے وہ بالکل درست ثابت ہوئے۔ مفتی صاحب نے اس عنوان کے تحت اطلاق و عموم دونوں لفظوں کو مترادف سمجھ کر بار بار ایک ہی معنی میں استعمال فرمایا ہے پھر قید و شرط دونوں لفظوں کو ہم معنی قرار دیا چنانچہ فرماتے ہیں اذان پڑھنے سے پہلے درود نہ پڑھنے کی شرط اور قید پڑھنا باطل ہوا۔ افسوس کہ اس جماعت میں مسند افتاء اُن لوگوں کو حاصل ہے جو شرط اور قید کو ایک سمجھتے ہیں۔ جو مطلق قید عام خاص شرط مشروط جیسے الفاظ کو صحیح مقام پر لگانے سے قاصر ہیں۔ جو شرط اور قید کو ایک سمجھتے ہیں جو اطلاق کی لغوی کو شرط کہتے ہیں۔ جس کو علمی زبان میں بات کرنا نہیں آتا اور خاموش بیٹھ جانا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ رابطہ عالم اسلام کو قائل کرتا تو کجا اپنے عوام کو مطمئن کرنا بھی کھٹن کام ہے۔ ایسے موٹے موٹے عنوان قلم کے عوام کو سہارا دیتے ہیں کہ قرآن سے ثابت کر دکھایا۔ کیا مبارک زمانہ تھا جبکہ بریلوٹ شریف مکہ اور شیخ زینی دحلان کے زیر سایہ متحدہ ہند میں اندہ ہی اندر تکبیر کے یلم چلا رہی تھی اور پوچھنے والا کوئی نہ تھا۔ اب سلی دنیا میں اعلان مسلولہ و سلام پر دم گھٹ رہا ہے۔ سب چیزوں کو مباح بناتے بناتے درود شریف کو بھی مباح بنا دیا ہے پھر یہ قسمتی یہ کہ عالم اسلام میں اسی ایک بدعت پر جواب طلبی شروع ہو گئی اگر ساری بدعات کا دنیا بھر کے علماء کو سراغ مل جائے تو پھر یقیناً اس نئے اسلام کو عالمی احتجاج کا سامنا پیش آئے گا۔

جناب مفتی صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ صلوات علیہ وسلم و تسلیما حکم مجمل ہے۔ اس کا بیان سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قُولُوا لِّلّٰہِ صَلَٰوٰتٌ عَلٰی مُحَمَّدٍ الخ مزید بیان کے لیے حضرات صحابہ کے درود شریف موجود ہیں۔ احکام کی تفصیل یعنی فریضت و وجوب سنیت استحباب حضرات فقہاء اہل سنت نے بیان فرمائی ہے یہ سب احکام مجمل کا بیان ہیں

۱۔ کہ مطلق کی تقبید اور نہ عام کی تخصیص۔ مثلاً سات مقامات پر درود شریف پڑھنا مکروہ لکھا ہے۔

- ۱۔ جماع کے وقت ۲۔ انسانی حاجت کے وقت ۳۔ مال تجارت خریدار کو دکھانے کے وقت ۴۔ ٹھوکر لگ جانے پر ۵۔ تعجب کے موقع پر ۶۔ ذبح کے وقت ۷۔ چھینک کے بعد۔

اس کے علاوہ پہلے قدر میں بھی درود شریف پڑھنا منع ہے اسی لیے سجدہ سہو کرنا پڑتا ہے اور درود شریف پڑھتے ہوئے نام مبارک پڑھ ہی۔ دیکھو فتاویٰ شامی ص ۲۳۸ مفتی صاحب کے نزدیک یہ تمام تفصیلات باطل مشروط ہوں گی اور قرآن کی ترمیم و تنسیخ ہوگی۔

پیر شاید آپ کے عقیدہ میں حضرات فقہاء کرام کو حق پہنچتا ہے کہ قرآن مجید کی تنسیخ اور ترمیم کریں اور جیسا کہ امر کے سینے مستوا و سلیمو! ہیں ایسے ہی امر کے سینے اقبیو! الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ بھی ہیں تو نماز کے لیے مکروہات مفسدات مستحبات سنن واجبات والنقض شروط کا بیان کرنے سے کیا اس حکم میں ترمیم و تنسیخ متصور ہوگی۔ آپ لوگ دین میں کسی زمانہ کا عمل ثابت کریں کہ سلف خلف کے زمانہ میں بطور اعلان درود شریف پڑھا جاتا تھا تو یہ ثابت کرتا ہوائے دمر یہ ہوگا کہ اُس وقت کے علماء نے اس کو بدعت اور ایجاد قرار دیا۔ اسی لیے تو ہم پوچھتے ہیں کہ یہ عمل کب شروع ہوا۔

بہر حال مستحب ہونا یا نہ ہونا

مفتی صاحب نے فرمایا: صلوٰۃ و سلام بہر حال میں مستحب ہے قرآن مجید کے اسی اطلاق و عموم کا لحاظ کرتے ہوئے علماء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے کو بہر حال اور بہر صورت جائز و مستحب قرار دیا ہے۔ ص ۳۱۳

جواب: حضرت امام بخاری کا قول ملاحظہ ہو:
 جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات درود شریف پڑھنا تو اس کے متعلق امام شافعی
 نے فرمایا میں پسند کرتا ہوں درود شریف کی کثرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر
 ہر حال میں اور جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات تو بہت مستحب ہے۔

القول البدیع ص ۱۹۱

جہ یہ مفتی صاحب نے ہر حال کے ساتھ بہر صورت کا لفظ خود شامل کر دیا اور اس
 پر بڑے فخر سے فرماتے ہیں لیجئے امام شافعیؒ جیسے شخصیت کے فیصلے کے بعد زید و علو
 کی بات کی کیا وقعت رہ جاتی ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کا قول لکھنے کے بعد فقہا حنفیہ کو زید و علو بنا ڈالنا حالانکہ
 فقہاء حنفیہ بعض مقامات پر پڑھنا مکروہ قرار دیتے ہیں۔ کوئی شخص مفتی صاحب
 سے یہ سوال کرتا ہے کہ حضرت جملہ اور حاجت فروریہ کے وقت بھی صلوٰۃ و سلام
 مستحب ہے یا ممنوع تو مفتی صاحب کیا جواب دیں گے۔ کل حال کو مد نظر رکھنا ہو گا
 اسی طرح دوسرے مکروہ اوقات پر بھی غور مطلوب ہے اور کل حال کا نتیجہ ہر حالت میں
 تو ہو سکتا ہے لیکن بہر صورت بہر وضع بہر کیفیت نہیں ہو سکتا۔ اس لیے بلند
 آواز سے پڑھنا ثابت نہیں ہوتا۔ یوں بھی ذکرِ جہر کے مسئلہ میں احناف اور شوافع
 کے اختلافات ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو حضرت شافعیؒ کی روایت
 سادی جائے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے چھینک
 کے بعد کہا الحمد للہ والسلام علی رسول اللہؐ پھر آپ نے فرمایا میں بھی کہتا ہوں
 الحمد للہ والسلام علی رسول اللہؐ (کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تعبی صلی اللہ علیہ وسلم
 پر درود و سلام دونوں مبارک باتیں ہیں۔ ہر بات کا ایک موقع ہوتا ہے۔) و
 لیس لہذا یعنی مستحب طریقہ جس کا حکم ملا ہے وہ یوں نہیں ہے کہ چھینک کے

نوٹ: القول البدیع میں لکھا ہے کہ فرج اور چھینک کے وقت درود شریف پڑھنا امام شافعیؒ جائز
 قرار دیتے ہیں۔ ص ۱۹۱

کلی سال کی رٹ لگانے والے اس بات پر غور فرمائیں کہ اصل مسئلہ درود شریف اور سلام پڑھنا نہیں ہے بلکہ بلند آواز سے پڑھنا ہے۔

حدیث سے ثبوت

آذان سے پہلے درود شریف پڑھنے کا حدیث سے ثبوت : ۳۱
مفتی صاحب نے حدیث پیش کی ہے : ”جس اچھے کام کی ابتداء اللہ کی حمد اور مجھ پر درود پڑھنے سے نہ کی جائے وہ برکت سے خالی ہے“

کیا اچھا ہوتا کہ مفتی صاحب اس حدیث پر غور فرمائیے اللہ کی حمد و ثنا آذان کے کلمات ہیں آذان کے بعد درود شریف پھر نماز پڑھی جائے جیسا کہ دستور ہے دین کے ہر بیان ہر خطبہ میں ترتیب طبعی یہی ہے پہلے اللہ کی حمد و ثنا پھر دوسرے خیر پر درود شریف تو آپ لوگوں نے اس ترتیب کو الٹ کر پہلے درود شریف پھر آذان یعنی اللہ کی حمد و ثنا پھر نماز کیا ہر کام میں بے اصولی آپ کا امتیازی نشان ہے کیا آپ لوگ نماز کو علم مقاد نہیں سمجھتے اور کیا کسی خطبہ میں حمد و ثنا سے پہلے بھی درود شریف ہو سکتا ہے۔ حمد و اللہ وصلوٰۃ علی نبینا اس ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود حمد و حق تعالیٰ ہے پھر اس مالک کو خوش کرنے کے لیے اس کے حکم کی تعمیل میں اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھا جاتا ہے لیکن آپ لوگ آذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں اس معکوس ترتیب کا مطلب یہ ہو گا کہ اصل مقصود صلوٰۃ و سلام ہے اور آذان ایک فنی اور تابع چیز ہے۔ مولائے رعم نے فرمایا :

ہر چہ گبر د غلٹی علت شود

اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ درود شریف سے اعلان کا ثبوت نہیں ہے

آذان کے بعد یا پہلے درود شریف

مفتی صاحب نے فرمایا : مواقع درود شریف میں ایک موقع آذان بھی ہے۔

مفتی صاحب نے یہاں شفاء کا حوالہ پیش کیا ہے :

عند ذکر دس۲۴ اسمہ او کتابتہ او عند الاذان

جب آپ کا ذکر شریف ہو رہا ہو جب آپ کا نام مبارک سن لیا جائے یا جب لکھا جائے یا جب اذان ہو جائے چار موقعوں پر درود پڑھنا چاہیئے۔ اب یہ فیصلہ مفتی صاحب فرمائیں کہ درود شریف آپ کے ذکر سے پہلے ہے یا بعد نام مبارک سننے سے پہلے ہے یا بعد نام مبارک لکھنے سے پہلے یا بعد۔ جب ذکر ہو رہا ہے تو سننے والے سن کر یا نام مبارک سن کر درود پڑھیں گے پہلے تو پڑھا نہیں جاتا اسی طرح لکھنے کے بعد اسی طرح اذان کے بعد کیونکہ اذان کے بعد پڑھنا تو حدیث صحیح سے ثابت ہے مفتی صاحب عند الاذان کا ترجمہ اذان سے پہلے تو نہ کر سکے لیکن دینی زبان سے فرمادیا عند الاذان پر خوب غور فرمالیجئے۔ اذان کے وقت کی تفصیل کچھ نہیں بتائی کہ اذان کہنے والا ہر کلمہ کے ساتھ صلوة و سلام پڑھے یا پہلے یا پوچھے۔ جب کہ اذان سے پہلے پڑھا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ کوئی بھی حدیث ضعیف بھی ہوتی تو لے آتے حضرت امام سخاوی نے فرمایا عند اجابة المؤذن۔ حافظ بدر الدین عینی اور امام بحر صاحب فتح الباری فرماتے ہیں :

باب الدعاء عند السداد ای عند تمام السداد اذان کے وقت یعنی اذان ختم ہونے کے وقت جیسا کہ صحیح مسلم شریف سے ثابت ہے۔ مؤذن کے ساتھ اذان کے کلمات کہو پھر تجھ پر درود پڑھو، پھر وسیلہ کی دعا مانگو۔ عند الاذان کے معنی اگر اذان کے وقت کے ہوں تو معنی یہ ہو گا کہ اذان کی وقت میں اذان نہ کہو درود شریف پڑھتے رہو۔ علماء بریلی نے اعلیٰ حضرت سے چل کر آج تک کتابی دنیہ میں کیا کچھ نہیں کیا۔ فانی رحمہ اللہ الشکلی

سب سے بڑی دلیل

سلطان صلاح الدین الیوبی کا کا نامہ - رسالہ ص ۳۲

مفتی صاحب فرخ سلیمان الجمل کے حوالہ سے لکھتے ہیں :

دکانِ حدیث فی ایام السلطان صلاح الدین بن ایوب ان یقال الخ

ترجمہ : ترجمہ مفتی صاحب

سلطان صلاح الدین کے عہد میں
یہ بات پیدا ہوئی ایجاد ہوئی کہ ہر
رات صبح کی اذان سے پہلے مصر اورد
شام میں السلام علی رسول اللہ (صلی
اللہ علیہ وسلم) کہا جاتا اور یہ بات
۶۷۷ھ تک چلتی رہی۔ پھر اس میں
پولیس افسر صلاح الدین برلسی کے
حکم سے الصلوٰۃ کا لفظ بڑھا دیا گیا
یہاں تک کہ اسے ہر اذان کے بعد
کر دیا گیا اور اب تک جاری ہے
اذان سے قبل صلوٰۃ و سلام کا
اہتمام خاص اور التزام کے ساتھ
سلطان صلاح الدین ایوبی کے زمانہ
میں ہوا۔ روزانہ مصر و شام میں
صبح و شام کی اذان سے قبل کہہا
جاتا ہے السلام علی رسول اللہ
یہ چیز ۶۷۷ھ تک مسلسل اور
ہمیشہ رہی اس کے بعد محتسب
صلاح الدین برلسی کے حکم سے صلوٰۃ
کا اضافہ کر کے الصلوٰۃ والسلام
ملیک یا رسول اللہ کہا جانے
لگا۔ حتیٰ کہ اسے ہر اذان کے بعد
تک کر دیا گیا جو ہمیشہ سے اب
تک جاری ہے۔

مفتی صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ اہتمام خاص اور التزام کے ساتھ یہ
کس لفظ کا ترجمہ ہے، نشاندہی فرمادیں اور حدیث کے متنہ تو بدعت کے بنتے ہیں
آپ نے اس کا کچھ ترجمہ نہیں کیا کم از کم اتنا تو لکھتے تھے سرے سے ایجاد بدیہ کیونکہ
حدیث کے معنی ہیں کسی چیز کا عدم سے وجود میں آنا پہلے نہیں تھی پھر پیدا ہوئی
صاف ترجمہ کرتے ہوئے شاید شرم محسوس ہوئی شاید کل ۷۷۷ھ بدعت
کل بدعت فی التماسا منہ آگیا ہو۔ اس لیے اہتمام اور التزام کا لفظ اپنے

جیب سے نکال کر ڈال دیا۔ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ پہلے اور ہمیشہ سے یہ چیز موجود تو تھی، سلطان مرحوم کی ایجاد نہیں ہے بلکہ سنت قدیمہ ہے۔ پانچ ص ۳۵ پر صاف لکھ دیا۔ اگرچہ فی نفسہ ایک مسنون اور مستحب چیز تھی لیکن اس سلسلے میں خصوصاً اہتمام و التزام کے ساتھ مسلسل صورت سلطان مرحوم کے زمانہ مبارکہ میں پیدا ہوئی (دیکھئے حدیث کے لفظی معنی صاحب کو کس مشکل میں ڈال رکھا ہے)۔
مشکل یہ ہے کہ علماء بریلی بدعت کے لفظ سے شرم محسوس کرتے ہیں اگرچہ ساری عمر اس کی خدمت خاطر میں گزارتے ہیں۔

۱۔ اذان سے قبل صلوٰۃ و سلام اگرچہ فی نفسہ ایک مسنون اور مستحب چیز تھی یہ دو فرض عبارتیں معنی بنکر رہ گئی ہے۔ وضاحت مطلوب ہے کہ اذان سے قبل صلوٰۃ و سلام مسنون اور مستحب ہے یا فی نفسہ یعنی درحقیقت مسنون اور مستحب ہے کیونکہ درحقیقت تو اعلیٰ درجہ کا مستحب اور ثواب ہے۔ بدعت اور سنت پاک اور بلیہ کو جمع کرنا پھر مجموعہ کو پاک سمجھنا کیسا عقیدہ اور نظریہ ہے۔
فی نفسہ یعنی اپنی حقیقت کے اعتبار سے تو فی الواقع درود و سلام اعلیٰ درجہ کا ثواب اور نیکی ہے۔ مسنون مستحب بلکہ ایک درجہ میں فرض بھی ہے لیکن اعلان کے بغیر کیونکہ نقلی عبادت ہے۔ کیونکہ فقہاء کا مسلہ قاعدہ ہے کسی ذکر کو کسی وقت یا چیز کے ساتھ مقرر اور مخصوص کرتا پھر اس کا اعلان بھی پانچ وقت کرتا فتاویٰ شامی اور البحر الرائق سے اس کا غیر منتشر منع ہوتا ابھی پیچھے صفحہ ۱۱ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

آذان سے قبل مسنون و مستحب ہے تو اس پر تعامل کیوں نہ ہوا۔ مثال کے طور پر ایک ہی ایسی سنت سامنے لائیں جس پر صدیوں تک عمل کرنے والا کوئی نہ پیدا ہوا۔

کل لسنۃ کا ترجمہ روزانہ درست ہے یا ہر رات۔ آگے چل کر مفہی صاحب کا کمپیوٹر خراب ہو جاتا ہے تو ستین کا ترجمہ سن کر دیا تو ۷۶ کی بجائے ۷۷۔

نکھد یا نہ شایہ سوز تک گفتی نہ آتی ہو۔ بہر حال یہ معمولی غلطی ہے۔
 فزید فیہ باہر المحتسب صلاح الدین البرلسی ان یقال
 الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ -

سلطان صلاح الدین مرحوم سے (تقریباً ڈیڑھ صدی بعد) نہ معلوم کس
 بادشاہ کا زمانہ تھا کہ ایک محتسب صلاح الدین برلسی نے الصلوٰۃ کا لفظ بڑھا
 کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ بتا دیا۔ محکمہ احتساب فوجداری
 جورائم کی پڑتال اور عدلیہ کا مجموعہ ہوتا ہے (بلی کے بھاگوں جھینکا ٹٹا)

یہ صلاح الدین برلسی بھی نہ ہوتا تو آج بریلوی حضرات کس کا نام لیتے۔ برلسی
 کوئی بڑا عالم دین نہیں ہے تو نہ سہی ہمیں صرف ایک فرضی نام چاہیئے۔ آٹھویں
 صدی کے آخر میں ایک مذہب دار افسر نے اس رسم کو اور بھی فروغ دیا کہ الصلوٰۃ کا لفظ
 بطور اعلان بڑھا دیا۔ ہم لوگ اس کو نبی تو نہیں مانتے لیکن دین کا امام ضرور ہوگا
 اس نے دین کی بڑی بڑی کتابیں لکھی ہوں گی۔ اس نے ضرور ثابت کیا ہوگا
 کہ آذان سے پہلے صلوٰۃ والسلام فرض واجب ہے۔ افسوس کہ وہ کتابیں کسی
 دیوانی نے جلادیں، افسوس کہ دین کے ذخائر جن سے ہمارا مذہب بنتا ہے دیا بُرد
 ہو گئے، ہمارے علمی خزانے کا ذخیرہ ہو گئے۔ برلسی اپنے زمانہ کا بہت بڑا مجتہد
 بہت بڑا فقیہ ہوگا مذہب کا بانی دوم ہے اور بانی اول تو حضرت سلطان
 صلاح الدین ہیں ان کے مزار شریف پر ہر رنگ کے سبز لال اور پیلے جھنڈے
 دور سے دکھائی دیتے ہیں۔ خدا ہی جانے وہابی لوگ ایسے مضبوط نشان دیکھ کر بھی
 کیوں نہیں فٹنٹے۔ شیخ برلسی بڑے محدث مفسر تھے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں
 اس مسئلہ پر اجماع اُلت بھی قائم ہو گیا ہوگا۔ کسی عالم کی مخالفت یا خلاف کا
 کوئی وجود نہیں۔ اس زمانہ کے تمام علماء نے اس عمل کو جاری کرنے پر صاف فرمایا
 تو لازماً یہ عمل علماء سابقین کے اجماع سے مدلل اور مؤید ہوا۔ اس پر اعتراض و
 انکار مجادلہ اور مکابہ کے سوا کوئی حقیقت نہیں رکھتا بلکہ یہ انکار خود لائق

تفریق و قابل مذمت ہے۔

إِلَى أَنْ جُعِلَ عَقِبَ كُلِّ آذَانٍ وَاسْتَمْرَانِي الْأَنْ

یہاں تک کہ ان کلمات کو ہر اذان کے بعد کر دیا گیا اور اب تک جاری ہے

یہ کوئی نامعلوم لوگ ہیں جنہوں نے تیسری تبدیلی کی کہ صلوٰۃ و سلام کا لفظ ہر اذان کے بعد کر دیا۔ جَعِلَ فعل مجہول ہے اس کا فاعل معلوم نہیں ہے۔ مفتی صاحب نے بھی مجہول کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ تیسری تبدیلی والے کون لوگ ہیں۔ بدعت کو

ماں باپ کی ضرورت تو نہیں ہوتی۔ مفتی صاحب نے بھی مجہول کا ترجمہ کیا ہے۔ نامعلوم لوگ ہیں۔ لیکن کچھ سمجھدار لوگ ہیں کہ صلوٰۃ و سلام کو تنزیہ کے درجہ

میں لے آئے۔ پھر تیسری صدی کے آغاز تک اسی طرح جاری رہا کیونکہ اذان اور اقامت کے عین درمیان ہو تو فقہاء کی صوابدید کے مطابق ہے۔ اور اس

کی گنجائش اب بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اذان کے بعد اچھے وقفہ سے اذان کی ترجمہ کا شائبہ عوام کو نہیں ہو گا تمام بدعات کا یہ حال ہے کہ نہایت معصوم

اور بھولی بھالی صورت کے ساتھ شروع ہوتی ہیں بظاہر بہت خوش نما اور نیکی کی صورت نظر آتی ہے۔ رفتہ رفتہ جب بدعت کے رنگ میں نکھار آتا ہے

تو جاہل عوام اسے دین کی رونق سمجھتے ہیں اور علماء اس کا نام تک لینا گوارا نہیں کرتے بلکہ علماء یوں فرماتے ہیں وہ کام جو عوام اس زمانہ میں کرتے ہیں، آج

کل جہ کچھ لوگ کہتے ہیں۔ آج کل لوگوں نے جو نام مقرر کر لیا ہے یعنی نام لینا بھی پسند نہیں فرماتے۔ جب البحر اور عمدہ پھر تم کے حوالے گزر چکے ہیں۔

مفتی صاحب نے عجیب ترجمہ کیا ہے حتیٰ کہ اسے ہر اذان کے بعد تک کر دیا۔ اِلَى تَوَاحُّدٍ دَعَا إِلَى كِهَا سَمِعَ أَكْثَرُ حَتَّىٰ أَوْرَتُكَ۔

مفتی صاحب کا ترجمہ یہ ہے حتیٰ کہ اسے ہر اذان کے بعد تک کر دیا جو ہمیشہ سے اب تک چلا آ رہا ہے۔ ہمیشہ کا لفظ اپنے پاس سے شامل کیا۔ اردو خوان لوگوں کو یہ تصور دینا چاہئے ہیں کہ دور نبوت سے خیر انقرون سے یکہ

روز نازل سے اب تک چلا آ رہا ہے۔ ایک چھوٹی سی عبادت میں مفتی صاحب کی واقعی غلطیاں اور دانستہ چالاکیاں سات اکٹھی بنتی ہیں۔

سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب کے مجاہدانہ کارنامے اور فتوحات بالخصوص اقوام مغرب کی متفقہ جہات میں اللہ کی مدد اور نصرت ان کا خلوص عظیم نیکی اور بہادری تاریخی مسلمات ہیں لیکن دین کی فقہ اور فہم مسائل کی تحقیق، سنت و بدعت کی تیز بڑے بلند پایہ محققین اور جہاں زدہ کا فیقہ ہے۔ قاضی ابن شداد ان کے مشیر خاص تھے۔ سلاطین کے قریبی علماء کے تدوین پر سیاست اور مصلحت غالب ہوتی ہے۔ سلطان مرحوم و مغفور نے جن حالات میں السلام علی رسول اللہ کی رسم جاری کی تھی اس کا پس منظر سامنے لانا بہت ضروری ہے مصر میں سلطان سے پہلے عبید بن جراح کی حکومت صدیوں سے آ رہی تھی جب تک سب سے پہلا خلیفہ عبید اللہ مہدی تھا۔ یہ شیعہ کی ایک شاخ ہے اس فرقہ کا اصلی نام اسماعیلیہ ہے۔ ان کو ناطیلیہ بھی کہتے ہیں۔ باطنیہ اور تعلیمیہ بھی مشہور نام ہے۔ قرامطہ بھی ان کی شاخ تھی جو کچھ دنوں حرمین شریفین پر مستطاب ہے شیعہ امامیہ یعنی ہمارے ملک کے شیعہ اثنا عشریہ اور شیعہ اسماعیلیہ میں چھٹے امام حضرت جعفر صادقؑ کی اولاد میں امامت کا اختلاف ہے۔ امامیہ حضرت موسیٰ کاظمؑ کو امام مانتے ہیں اور یہ لوگ اسماعیل کو۔ جیسا کہ شہرستانی نے کتاب الملک والنیل میں کہا ہے: اعظم خلاف فی الامۃ خلاف الامامۃ فی کل زمان یعنی امت مسلمہ کے ہر دور میں سب سے بڑا اختلاف امامت پر ہے۔ اہل سنت کے ہاں خلیفہ اور امام کا انتخاب شورشی سے وابستہ ہے۔ شیعہ کے تمام گروہ امامت اور نبوت کو ایک دوسرے کی مثل اور نظیر سمجھتے ہیں جب علامہ تاجتہد لاہوری کی کتاب غایۃ المقصود ص ۵ پر لکھا ہے اس لیے ان کا عقیدہ ہے کہ امام ہر قسم کے گناہ اور اخلاقی جسمانی عیوب سے پاک ہوتا ہے۔ شیعہ حضرات نبوت کی مانند امامت کو بھی انتخابی الہی قرار دیتے ہیں۔ ہمارے شیعہ امامیہ کا عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ

رہم کے پاس قرآن کریم کے علاوہ بارہ کتابیں نازل ہوئی تھیں جو امام علیؑ سے سیکر امام
مہدیؑ تک نام بنام سز بھر تھیں۔ ہر امام اپنے وقت میں اپنی کتاب کھول کر مل کرتا
تھا۔ امام کی ضرورت یہ ہے کہ ہر دور میں اختلافات دور کرنے کے لیے ایسے انسان
کی ضرورت ہے جو خداوند تعالیٰ کے ساتھ سلسلہ باتیں کرے یا بات کرنے والے سے
معلوم کرے۔ سب عالم علیہ السلام نے شیعہ کے عقیدہ میں علیؑ کی خلافت
کا اعلان عام فرمایا اور آپ کو وحی قرار دیا۔ لیکن جب شیعہ حضرات سے سوال کیا
جانب سے کہ امام اول علیؑ کو قائم کرنے میں کامیاب ہوئے یا نہ ہوئے تو ان کا
جواب یہ ہوتا ہے کہ نہیں ہوا کیونکہ قوت کمزور تھی دشمن منظم تھا۔ شیعیان علیؑ
غدار اور مکار تھے۔ نہج البلاغہ میں جا بجا اُن کی سستی اور بے ہمتی کی شکایت فرمائی
ہے۔ شیعیان علیؑ کی پست مبتی خیانت کی تعریف شیعہ کی معتبر ترین کتاب نہج البلاغہ
میں ملتی دانتی ہے جس کے بعض اقتباسات درج ذیل ہیں۔

۱۔ اَلْمُنْبِتُ لَيْسَ اَزْدَ اَطْلَحَ الْيَمَنُ (ترجمہ) مجھے خبر ملی ہے کہ کسر نے
یمن پر قبضہ کر لیا ہے اللہ کی قسم میرا غالب گمان ہے کہ یہ لوگ احقر
امیر معاویہؓ کی فوج (تم سے حکومت چھین لیں گے اس لیے کہ وہ باطل پر جمع ہیں
متفق ہیں اور تم لوگ حق سے بکھرے ہوئے ہو تم لوگ حق کی تابعداری کرنے
میں نافرمان ہو اور وہ لوگ باطل اور جھوٹ میں اپنے امام کے مطیع ہیں۔ وہ
اپنے صاحب کی امانت ادا کرتے ہیں تم خیانت کرتے ہو وہ اپنے شہروں میں
بیکری کرتے ہیں تم بگاڑ کرتے ہو۔ اگر میں تمہارے کسی ایک سپاہی کو
ایک بڑا پیالہ پکا دوں تو مجھے خطرہ ہوتا ہے کہ اس کا دستہ ٹوٹ لے گا۔
اے اللہ میں ان سے رنجیدہ ہوں اور اُن کا گناہ گن ہوں اور وہ مجھ سے الٹے
ہوئے ہیں۔ یا اللہ مجھے ان سے بہتر سپاہی ان کے بدلہ میں دے اور ان کو
میرے بدلہ میں بدتر حکم یا امیر دے۔

نہج البلاغہ۔ مہری بحاشیہ محمد عبداللہ ص ۳۱

۲۔ واللہ یجیبت القلب الخ ترجمہ بیچ البیانۃ ۷۵

خدا کی قسم دل کی موت سے اور غم کو کھینچ لائے۔ اس قوم کا باطل پر اتفاق کرنا بیچ ہوتا اور تمہارا حق سے بکھر جانا کیسی شرم کی بات ہے کہ تم کو تیرا نازی کا نشانہ بن کر رکھ دیا گیا ہے تم پر لوط مار ہو رہی ہے اور تم لوط مار نہیں کرتے تمہارے ساتھ لڑائی کی جاتی ہے اور تم نہیں لڑتے، اللہ کی نافرمانی ہو رہی ہے اور تم دیکھ کر راضی ہوتے ہو۔ جیب میں گرمی میں جہاد کا حکم دیتا ہوں تو تم کہتے ہو گرمی سنت ہے ذرا گرمی کم ہونے دو جیب سردی میں جہاد کا حکم دیتا ہوں تو تم کہتے ہو یرسنت سردی ہے ذرا سردی کم ہونے دو۔ یہ سب سردی گرمی سے بھاگنا دراصل خدا کی قسم تلوار سے بھاگنا ہے اے نامردو، مردوں کی شکل ملے، لے پچوں کے خیالات والو لے پاؤں میں زلیوہ پہنتے والی عورتوں جیسی عقلوں میں چاہتا ہوں کہ میں تمہیں نہ دیکھتا اور نہ پہچانتا۔۔۔۔

خدا کی قسم تم نے میرے دل کو پیپ سے بھر دیا اور میرا سینہ غصہ سے بھر دیا اور تم نے مجھے تفکرات اور غم گھنٹ گھنٹ کر پلائے۔
۳۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ معاویہؓ گندوار اور کینہ لوگوں کو جنگ کے لیے بلاتے ہیں تو وہ لوگ کسی الاؤنس اور مزید انعام کے بغیر ان کا حکم مان کر ان کے پیچھے چل پڑتے ہیں اور میں تمہیں بلاتا ہوں جبکہ تم اسلام کی چھوڑی ہوئی دولت ہو اور اچھے انسانوں کا بقایا ہو، ساتھ ہی الاؤنس اور بخشش یعنی مال بھی دیتا ہوں تو تم جمع نہیں ہوتے بکھر جاتے ہو۔
سیدنا علیؓ کے خطبات اور خطوط کا مجموعہ جسے شیخ رضی نے مرتب کیا ہے نتیجہ حضرات کے نزدیک نہایت محترم کلام ہے۔

اس لیے اپنی خلافت میں سیدہ فاطمہ الزہراؓ کا حق و رانت بھی ان کے بچوں یعنی حضرات حسینؓ کو نہ دلا سکے اور بنیادی بات یہ ہے کہ اصلی قرآن مجید چھپا

دکھا تھا اور سینہ بسینہ بار ہویں امام تک آگیا۔ اس وقت بارہواں امام اس قرآن کے ساتھ ملک عراق میں سرمن زادی عرف سائرہ کی غار میں چھپے بیٹھے ہیں، کہ بھی امت کے سامنے پیش نہ کر سکے۔ کمزوری کی بناء پر تقیہ اور مداوات سے وقت گزارا پھر دوسرے اور تیسرے امام پر جو گزری وہ تو امت کا المیہ ہے پھر آٹھ امام تو مخالف اور مستور تھے تو قیامت کی علامت یعنی نزول عیسیٰ علیہ السلام اور ظہور مہدی سے پہلے پہلے تو دین اسلام گنگام، محکوم رہا پھر امت کا کیا فائدہ؟ مسئلہ امامت کی وجہ سے شیعوں کے کتنے گروہ بن چکے ہیں۔ بعض کہتے ہیں حضرت حشیش کے بعد محمد بن حنفیہ امام تھے پھر ان کی اولاد میں امامت چلی گئی۔ بعض شیعہ حضرات دین العابدین کے بعد ان کے بیٹے زید کو امام مانتے ہیں یہ فرقہ زیدہ کہلاتا ہے۔ یہ فرقہ حضرت زید کی اولاد میں امامت مانتے ہیں۔ یہ لوگ حضرات خلفاء راشدین کو برا بھلا نہیں کہتے اور یہ اسماعیلیہ کا گروہ امام جعفر صادقؑ کے بعد ان کے بیٹے اسماعیل کو امام مانتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے اگر امامت کا حکم آیا ہوتا تو اتن اختلاف کیوں ہوتا۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضر و بعید انہما سے تحت بارہ اماموں کا اعلان عام کیوں نہ فرمایا ہوتا۔ اسماعیلیہ جس کو آجکل ہم آغا خانی فرقہ کہتے ہیں کا پہلا خلیفہ مصر میں عبید اللہ مہدی تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ مہدی موجود ہیں۔ دعوت کی پر زور اشاعت سے مصر میں اس کو حکمران اور خلیفہ مان لیا گیا۔ یہ وہی سلسلہ امامت ہے جس کا انجیساواں امام آجکل آغا عبد الحکیم خان بین الاقوامی شخصیت موجود ہے۔ ان کا دوسرا خلیفہ بامر اللہ تھا پھر منصور، پھر معز، پھر عزیز، پھر حاکم پھر ظاہر، مستنصر، منتعلی، امر، حافظ۔ ظافر، نائرہ اور آخری عاصد تھا۔ یہ ۱۴ اپنی۔ عاصد کو اپنی فوجی قوت کی کمی کا احساس ہوا تو اس نے سلطان نور الدین زنگی سے فوجی کمک اور مدد حاصل کی نور الدین زنگی نے جو فوج امداد کے لیے بھیجی اس کا سالار صلاح الدین کا چچا اسد الدین تھا

اور صلاح الدین معاون تھے۔ عاضد اس فوج کی وجہ سے دشمن سے تو محفوظ ہو گیا لیکن اپنے آپ کو اس فوج کے ہاتھوں بے بس محسوس کرنے لگا۔ اسد الدین نے مصر میں قوت کے ذریعے پیچھے گاڑ لیے۔ اسد الدین کے انتقال کے انتقال پر سلطان نور الدین نے صلاح الدین مرحوم کو مصری فوج کا سالار بنادیا صلاح الدین مرحوم نے فوج کا انتظام سنبھال کر مصر کے اندرونی بیرونی انتظامات اپنے ہاتھ میں لیے۔ کچھ دنوں کے بعد عاضد کی موت واقع ہوئی ۵۶۷ھ میں تو صلاح الدین نے اس کے شاہی محلات، خزائن اور مصری اخراج پر پوری طرح قبضہ جمالیہ۔ تھوڑے عرصہ میں نور الدین زرنگی کا انتقال ہو گیا تو اب صلاح الدین سلطان صلاح الدین تھا۔ اب سلطان صلاح الدین نے ان کے اثرات ختم کرنے کے لیے پہلا کام یہ کیا کہ عاضد کے نام پر جو سلام پڑھا جاتا تھا حکماً بند کر دیا۔ یہ سلام کا قصہ امام سخاویؒ نے القول البدیع ۱۴۲ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ امام سخاویؒ فرماتے ہیں:

قد احدث المؤذنون الصلوة والسلام على رسول الله صلى الله عليه وسلم
وسلم عقب الأذان للفرائض الخمس إلا الصبح والمجمعة
فانهم يفتنون ذاك فيهما على الأذان والآل المغرب
فانهم لا يفعلونه أصلاً لضيق وقتها
مؤذن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام اور صلوٰۃ ایجاد کیا
ہے آذان کے بعد سب نمازوں کے لیے لیکن صبح اور جمعہ کی نماز تو اس میں وہ آذان
سے پہلے پڑھتے ہیں اور مغرب میں وقت کی تنگی کے باعث پڑھنے ہی نہیں۔
وكان ابتداء حدوث ذاك من أيام السلطان الناصر

صلاح الدین دیاہریؒ

اور اس ایجاد کی ابتداء تو سلطان صلاح الدین کے عہد سے ہوئی اور اس کے حکم سے ہوئی۔

واما قبل ذلك فانه لما قتل الحاكم ابن العزيز امرت
اخته ست الملك ان يستمد على ولده الظاهر فسلم

عليه بما مورثه السلام على الامام الظاهر

اور اس سے پہلے کا معاملہ یہ ہے کہ اسماعیلیوں کا چھٹا خلیفہ حاکم بن عزیز
قتل کر دیا گیا اور اس کی ہمشیرہ ست الملك نے حکم جاری کیا کہ اس کے بیٹے یعنی
حاکم کے بیٹے ظاہر پر سلام کیا جائے تو سلام جاری ہوا جس کی صورت یہ تھی :

السلام على الامام الظاهر

ثم استمر السلام على الخلفاء بعده خلفاً بعد سلف الى ان

ابطله السلطان المذکور جو ذی خیراً

پھر اس کے بعد تمام خلیفوں پر یکے بعد دیگرے سلام جاری لایا یہاں تک کہ
صلاح الدین نے اسے باطل یعنی ختم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو جزائے خیر دیں

اس عبادت پر تبصرہ

حضرت امام سخاوی نوین صدی کے بزرگ ہیں۔ قد احدث الخلفاء ماضی
قریب کا لفظ بتا رہے ہیں کہ ان کے ملک میں ابھی ابھی آذان کے بعد صلوٰۃ و سلام
جاری ہوا ہے۔ شام کا وقت تنگ ہے اور صبح کی نماز اور ہفتہ بھر میں ایک جمعہ
کی نماز میں لوگوں نے سویرے ہی شروع کر دیا۔ یاد ہے یہ لوگ علماء اور فقہاء نہیں
ہیں مؤذن ہیں اس احداث کی ذمہ داری اس وقت کے علماء اور اہل علم پر عائد نہیں ہوتی۔
اس خاندان کے ۴۶ خلیفہ ۲۶ برس تک باری باری اپنے نام پر سلام کہتے رہے
اب تک عوام میں کافی طاقت ہندو یہ فرقہ کی موجود تھی صدیوں سے مرد و جمہ سلام
مذہبی شکل اختیار کر چکا تھا۔ اس لیے اس سلام کو بند کر دینے سے نجات
اور خروج کا خطر محسوس کرتے ہوئے سلطان نے سوچا کہ بدعت کے اماموں پر سلام
بند کرنے کے ساتھ اس کا نعم البدل نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام جاری کر
دیا جائے۔

جیسا کہ مفتی صاحب نے فتاویٰ کبریٰ کے حوالہ سے لکھا ہے وجعل بدلۃ الصلوۃ والسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، اردو عبارت مفتی صاحب کی یہ ہے
حتیٰ کہ صلاح الدین ابوہی علیہ الرحمۃ نے برسر اقتدار آکر ظاہر پر سلام بھیجنا بند کر دیا
اور اس کی جگہ اذان سے قبل حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر سلام پڑھنے کا حکم فرمایا۔
رسالہ ص ۳۸

مفتی صاحب نے ولد کا ترجمہ بھائی کیا ہے (۱) نابالوں کے دور میں یہی رائج رہا۔
خلفاء کا ترجمہ نائب کیا ہے یہ سب خلفاء ہیں اور اپنے اپنے وقت میں سب پر
سلام پڑھا جاتا تھا۔ نائب کوئی بھی نہیں ہے (۲) ظاہر پر سلام بھیجنا بند کر دیا ظاہر
پر نہیں غاصد پر سلام جو خاندان کا آخری خلیفہ تھا اس کو بند کر کے اس کے بدل
میں السلام علی رسول اللہ جاری کیا (۳) اذان سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر
سلام پڑھنے کا حکم فرمایا۔ یہ اذان سے قبل کا لفظ ایجاد بندہ ہے۔ ص ۳۸ کی عبارت
خود بتا رہی ہے کہ اذان کے بعد سلام ایجاد ہوا (۴)

امام سخاوی اور ابن حجر مکی سلطان اسلام کو اس کا ذخیرہ دعا و خیر دیں مگر انھوں نے
بدعت کے مدعی الخ

امام سخاوی کے الفاظ واضح ہیں ابطالہ الصلاح المسدود جود ذی خیراً
صلاح الدین نے عالی نشیوں کے سلام کو باطل اور ختم، ممنوع قرار دیا، اللہ تعالیٰ اس
کو جزائے خیر دیں۔ یہ باطل کرنے پر جزا جبر ہے سلام کی رسم جاری کرنے پر نہیں
اور امام ابن حجر مکی کے الفاظ سے بھی واضح ہو رہا ہے کہ انھوں نے بدعتی سلام
کے بدل میں سلام سنت رائج کیا۔

شعبہ اسماعیلیہ ہمارے نشیوں کی رائے میں بھی کفار ہیں۔ ان کی نماز غلط
مشرکانہ ہے۔ امام کی تصدیق پر سامنے رکھ کر اس کی نسبت پڑھتے ہیں اسی کو مخاطب
کرتے ہیں۔ ان کی نسبت یہ ہے :

یا شاہ میری شام کی نماز اور دعا قبول کر۔ جو حق تم کو ملا میں اس کا

واسطہ دیتا ہوں۔ اے ہمارے آقا آغا سلطان محمد شاہ یعنی مرآغا خاں۔
 (اگر رات کی نماز ہو تو یوں کہتے ہیں میری شام کی اور رات کی دعائیں،
 صبح کی نماز ہو تو یوں کہتے ہیں میری شام کی اور رات کی اور صبح کی دعائیں،
 اس کے بعد سجدہ کرتے ہیں۔ رکوع نہیں کرتے۔ سجدہ کا کلام یہ ہے،

میں اپنے گناہوں پر پتہ چھتا ہوں
 دوسرے میں سر سے پاؤں تک قصود وار ہوں، گناہ نگار ہوں اے غفور رحیم
 شاہ (یعنی امام وقت) میرا گناہ معاف کر۔

بندہ دعا مانگتا ہے اے سچے شاہ تو منظر رکرنے والا ہے۔ میں شاہ کے اس
 فرمان کو سراور آنکھوں پر رکھتا ہوں جو پیر کے ذبیحے مجھ کو ملا ہے۔

یہ کہہ کر تسبیح رکھ دیتے ہیں اور نیچے بتایا ہوا ذکر پڑھتے ہیں۔
 کلمہ شہادت: سبحان اللہ الحمد للہ لا الہ الا اللہ اللہ اکبر

لاحول ولا قوۃ (آخر تک) الرحمن ذی الجلال والاکرام۔ ان صفوں

سے بنا ہوا قدر کس۔ سب طاقت در خدا، ایران کے صلح چال دیا میں

انسان کا جسم لیکر ۷۰ باپ کی بیٹھ سے نکلا۔ اُنہنتر (۶۹) خدا ہو جانے

کے بعد ستر ہویں اوتار کے نظم سے اڑتا لیسران امام، بے عیب اوتار

ہمارا خداوند آغا سلطان محمد شاہ و اما یعنی مرآغا خاں پیدا ہوا۔

از دیوار اندوار ص ۳۸

بینہ راوند اب مرچکا ہے۔ اب اس کا پوتا آغا عبدالکیم خان خداوند کی گدی پر
 ظہور فرما ہے۔ اس طویل بحث کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ اندھی محبت اور دہم
 پرستی عقیدت انسان کو انسان پرستی کے اندھیرے گڑھے میں ڈال کر باہر آنے کے
 تمام راستے کس طرح بند کر دیتی ہے۔

اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ سلطان صلاح الدین مرحوم نے کیسے سیاسی حالات کے
 پیش نظر یہ سلام جاری کیا تھا اور اس کا تعلق صرف مصر کے ساتھ تھا۔ اس پس منظر

کے ممالک و بکھا دی کھی نقل آنے لگے۔ تمام لوگوں نے اسے مؤذنی کا احداث کہا ہے شام کے ملک میں یہ رسم بقول صاحب در مختار ۷۸۱ھ میں ربیع الثانی پیر کی رات پہنچی جبکہ مصر میں عاصد کی موت کے ساخنہ ۵۶۷ھ میں شروع ہوئی کیونکہ فقہاء متاخرین نے تشویب کے طور پر ہر لفظ کی اجازت دی ہوئی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ کچھ کلمات عبرت یا نصیحت کے لیے شعر کے رنگ میں پڑھے جلتے تھے جب کو تذکیر کہا گیا ہے۔ امام ابن عابدین فرماتے ہیں شام کی آذان کے بعد تسلیم کا دراج اب تیرہویں صدی میں نہیں ہے شاید ان کے وقت میں ہوگا یا اس سے مراد وہ چیز ہے جو مغرب کی آذان کے بعد اور جمعہ کی رات پیر کی رات شام اور عشاء کے درمیان کی جاتی ہے وہو المستی فی دہشقت تذکیر، جس کو دمشق میں تذکیر کہتے ہیں۔ ایسے ہی وہ کام جو جمعہ کے دن کی جمعہ کی آذان سے پہلے کیا جاتا ہے وہ بھی تذکیر ہے۔

فتاویٰ شامی کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ تسلیم کا دراج علامہ حصکفی کے دور میں ہوگا (اب نہیں ہے) اب جو کچھ کرتے ہیں اس کا کوئی نام دین میں نہیں ہے لوگوں نے اس کا نام تذکیر رکھ لیا ہے کیونکہ جاہل مؤذن کبھی غزل پڑھ دیتے ہوں گے کوئی ننت پڑھ دیتے ہوں گے کوئی التذکیر کی حمد و ثناء کے اشعار پڑھتے ہوں گے کبھی تلاوت کرتے ہوں گے۔ خود ہی ان لوگوں نے اس شغل اور مسجدوں میں شور و غوغا کا نام تذکیر رکھ لیا ہے۔ تذکیر کوئی دینی اصلاح نہیں ہے عوام نے ایک نام رکھ دیا ہے حضرات علماء کرام نے بطور تذکرہ عوامی نام لیکر ذکر کر دیا۔ نام لینے سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ کوئی دین کی بات ہے دین کا اصول ہے بلکہ محض لوگوں نے بے سمجھی سے ایک دین گھڑ لیا اور اس کا نام بھی گھڑ لیا ہے۔ پھر جلتے جلتے تذکیر کو تسبیح کا نام دے دیا۔ چنانچہ صاحب بحر فرماتے ہیں والتذکیر المستی فی بین الزمان بالتسبیح تذکیر کو اس زمانہ میں تسبیح کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بحر ص ۲۶۳

علامہ محدث حافظ ابن حجر عسقلانی نے ایک موقع پر تسبیح قبل الصبح اور تسبیح

قبل الجمعہ کے اعدات اور بدعت کو واو عطف درمیان میں لا کر درود شریف سے الگ کر دیا۔ لکن ما أحدث من التسمیہ قبل الصبح وقبل الجمع ومن الصلوۃ علی النبی علیہ السلام من جملۃ الآذان۔

فتح الباری ج ۳ باب ما یقول اذا سمع المنادی

عطف کے ساتھ بیان گزرا ہی واضح ثبوت ہے کہ تذکیر اور تسمیہ تو ایک ہی چیز ہے اور درود شریف تذکیر اور تسمیہ سے الگ ہے۔ لیکن مفتی صاحب کی مجبوری یہ ہے کہ دلائل ناپید ہیں مجبوراً تذکیر کا ترجمہ درود شریف کیا اور دلیل یہ بیان کی کہ درود شریف بھی بھولے ہوئے لوگوں کو یاد دلایا جاتا ہے اس لیے تذکیر ہے مطلب یہ ہے کہ بھولی ہوئی جو بات بھی کسی کو یاد دلائی جاتی ہے وہ صلوٰۃ و سلام بن جاتا ہے۔ نماز روزہ حج زکوٰۃ جو بات بھی کسی کو بھول جائے وہ مفتی صاحب کے فتویٰ میں صلوٰۃ و سلام بن جائے گا کیونکہ بھولا ہوا تھا، اب یاد میں آگیا، کیا عجیب فلسفہ یہ بیان کیا۔ فخر اخلاف علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں :

السنۃ قبل الفجر لم یکن بالفاظ الآذان وانما کان تذکیراً

اول تسمیہ اُکما یفصح للناس الیوم

بعض حنفیہ سے سروجی نے بیان کیا ہے کہ صبح سے پہلے آپ کے مبارک زمانہ میں جو پکار ہوتی تھی وہ آذان کے الفاظ سے نہیں تھی وہ تو صرف تذکیر تھی، نصیحت کے کلمات تھے یا تسمیہ تھی یعنی سحر کو سحری کے لیے اٹھانا تھا جیسا کہ لوگ آجکل بھی کرتے ہیں۔ اور یہ بات غلط ہے کیونکہ اس زمانہ میں لوگ جو کچھ کرتے ہیں وہ قطعاً بدعت ہے۔ ۱۳۵۵ عمدة القاری شرح صحیح بخاری

باباء حنفیت کی اس قدر تلخی پر آپ لوگوں کو شرم محسوس ہو تو یہ

ہے۔ جو کچھ کرتے ہیں، یہ لفظ ہی اگر غور کرو تو کافی ہے۔ یہ اظہار نفرت ہے برائت اور بے تعلقی ہے جو کچھ لوگ کرتے ہیں۔ یہ لوگوں کا وارہ عمل ہے دین میں اس کا کوئی نام نہایت نہیں۔ لوگ جو کچھ کرتے ہیں یعنی سمجھتا ہے سود

جو کچھ کرتے ہیں اپنی پسند اور اپنی مرضی کرتے ہیں۔ اتباعِ ہوا ہی ہے اور اکثر یہ فیصلہ بھی کتنا زیر دست فیصلہ ہے کہ یقیناً بدعت ہے۔ مزید وضاحت چاہتے ہیں تو آئیے حضرت ملا علی قاری کا انشاء دیکھیں :

فما بفعله المؤذنون اليوم عقب الأذان من الامتثال
بالصلوة والسلام مراراً أصله سنته والکیفیة بدعة
ملا مرقاة

آج کل مؤذن لوگ آذان کے بعد جو کئی بار صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں یہ اصل میں تو سنت تھا، اب یہ طریقہ بدعت ہے۔ اصل میں سنت تو اس پر ہے کہ اگر اس وقت مؤذن (الحديث) سے ثابت ہے یہ بعد الاذان بلند آواز سے پڑھنا بار بار پڑھنا یہ بدعت ہے کیونکہ بعد الاذان تنزیہ کی نیت سے ایک دو دفعہ کہہ بھی دے تو مسجد میں زیادہ شور نہیں ہوتا۔ قاری صاحب نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے :

کیونکہ مسجد میں آواز بلند کرنا خواہ ذکر کہے یا یہ ہو مکروہ ہے۔ خاص طور پر مسجد حرام میں کیونکہ نماز ادا کرنے والوں، احتیاطاً کھانے والوں، طواف کرنے والوں کو تشویش ہو تی ہے۔ واقع ہے کہ آذان کے بعد پڑھنے پر بھی کڑی نیت کا فتویٰ دیا جا رہا ہے۔ بعد آذان اگر اصول کے مطابق تنزیہ ہو تو گنہ گنہ گنہ گنہ اگر دو دفعہ نیت سے بار بار بلند پڑھے تو مکروہ ہو گا کیونکہ نقل عمل بندہ اور مالک کے درمیان راز ہوتا ہے۔ نقلی صدقات اور نقلی عیال بعض مساکین کی بناء پر ظلم کرنے کی بھی اجازت ہے لیکن صلوٰۃ وسلام بندہ اور مالک کے درمیان ایسا راز ہے کہ دین میں کسی مقام پر بھی بلند آواز سے پڑھنا خیر النقران سے چیل کر آج تک کسی دور میں بھی اس پر عمل ثابت نہیں نہ عوام کا نہ خواص کا بلند آواز سے پڑھنا آہستہ آہستہ پڑھنے کا حکم آیا ہے۔

ذیل میں فقہاء حنفیہ کی چند تفسیر کثافت کا ذکر مناسب ہے گا چنانچہ

درویش شریف بالخصوص آہستہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے :

فقہاء خلفیہ کا ارشاد درود شریف آہستہ پڑھنے پر

۱۔ تسمیٰ اذا احرم صلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عقب الحرامہ
یسراً - البحر الرائق ص ۳۳۳

پھر جب احرام باندھے تو احرام باندھنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے پوشیدہ طور پر کہ آواز کسی کو سنائی نہ دے اور اسی طرح لبیک کے بعد ہر بار پوشیدہ آواز سے درود شریف پڑھے یعنی لبیک تو بلند آواز کے ساتھ پڑھا جائے پڑھتے پڑھتے جیسے درود شریف کی باری آئے تو آواز اس قدر آہستہ کرے کہ دوسرا آدمی نہ سن سکے معلوم ہوتا ہے کہ توحید کے آداب جدا ہیں اور آداب رسالت جدا ہیں۔

ادب گاہ ہیست زیر آسمان از غرض نازک تر

نفس گم کردہ ہے آئید جنید و یابنید این جا

روضہ مبارکہ کی یہ شان ہے کہ یہاں بڑے بڑے کا ملین اولیاء اللہ کا آواز نکلتا تو کجا انس بھی گم ہو جاتا ہے لیکن جاہل معلم اور جاہل علوم مقام ادب میں بے ادب ہو جاتے ہیں۔ فناوی عالمگیری میں روضہ انور پر سلام کے متعلق ہے ولا یرفع صوته ولا یقتصر آواز بلند بھی نہ کرے اور درمیانی آواز بھی نہ رکھے یعنی پوشیدہ آواز جس طرح اکیلا آدمی نہ پڑھتا ہے ایسی آواز

آواز ۲۷۲

نوکشوری اور احرام کے بیان میں دیتے ہیں :

۲۔ تسمیٰ اذا لبثی صلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم معتم
الخیرات الا انه یتخفف صوته اذا صلی علیہ
کذا فی فتح القدیر عالمگیری ص ۲۳۳

جیب لیبیک پڑھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھتے جو تمام نیکیوں کے معلم ہیں اور دعا مانگے جو چاہے لیکن درود شریف پڑھتے وقت آواز پست کرے۔ ایسا ہی فتح القدیر میں ہے۔

۳۔ یستحب ان یصلیٰ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من التلبیۃ ویخفص صوته عند الک -

مستحب ہے کہ لیبیک سے فارغ ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف اور درود شریف پڑھتے وقت آواز پست کرے۔

مرقاۃ المصابیح ص ۲۸۸

۴۔ ویستحب ان یرقع صوته بالتلبیۃ ثم یخفص صوته و

یصلیٰ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مستحب ہے کہ لیبیک بلند آواز سے کہے پھر آواز کو دھما کر کے درود شریف پڑھے۔ ارشاد الساری الی مناسک القاری ص ۶۹

۵۔ والاختیار افضل عند الفزع..... وکذا الصلوٰۃ علی

النبی صلی اللہ علیہ وسلم -

جب کشتی کے مسافر گھبرا جائیں تو آہستہ آواز سے ذکر کرنا بہتر ہے اسی طرح

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا آہستہ بہتر ہے۔ البحر الرائق ص ۱۶

۶۔ علمائے بیہیلی خاص طور پر غمخواروں کے حافروناظر کے عقیدہ سے آنجناب سید و

سرور صلی اللہ علیہ وسلم کو باواز بلند مخاطب کرنا کس قدر حرم عظیم اور

کتنا بھاری گناہ کس قدر بے ادبی اور گستاخی ہوگی۔ سورۃ حجرات میں جو

اکثرہم لا یعقلون کا ارشاد ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلند آواز

سے پکارنے والے اُن کی اکثریت بے عقل ہے و خوف لوگ ہیں کیا یہ نبی تمیم

آپ لوگ بھی تو نہیں تھے اور جب آپ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ روح

مقدس آپ لوگوں کا سلام سننے کے لیے تشریف فرما ہوتی ہے تو آپ

لوگ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْضَعُوْنَ اَمْلًاۤ اَتٰهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ الْاَيَةُ سُوْرَةُ حٰجَرَات
 ترجمہ : بیشک جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یا آپ کے سامنے
 اپنی آوائیں پست کر دیتے ہیں وہ لوگ ہیں جنکے دلوں کو اللہ
 نے تقویٰ پر ہینرگاری کے لیے جاپنچ پرکھ لیا ہے ان کے لیے
 گناہوں کی بخشش ہے اور اجر بڑا ،

کا کیا جواب دیں گے کیونکہ آپ کا ادب لغت اہم تعظیم و تکریم توقیر و تعزیر
 جیسا کہ دنیہ کی زندگی میں تھا ، اسی طرح اب ہے ۔ یا تو آپ لوگ بتائیں کہ
 آہستہ آواز سے آپ کو مخاطب کرنا دین کے اہم فرائض اور اجبات میں سے
 نہیں ہے ۔ یا یہ ثابت کریں کہ یہ آداب دنیوی زندگی تک محدود تھے ۔ اب یہ
 آداب ختم ہو چکے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیوی زندگی سے گزر کر انروی
 حقیقی زندگی سے زندگی میں یسکن شفا شریف میں تویہ وضاحت موجود ہے ۔
 وَاَعْلَمُ اَنْ حُرْمَتِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بَعْدَ مَوْتِہٖ تَوْقِیْرًا وَّ
 تَعْظِیْمًا لَا زَمَّكَ مَا كَانَ حَالِ حَیٰوَتِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم تُوْا اِسْ بَاتِ کُوْجَانِ لَے
 کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام ادب اور تعظیم موت کے بعد بھی ایسا ہی ضروری
 ہے ۔ جیسا کہ زندگی میں ضروری تھا ۔

یا یہ ثابت کریں کہ روح اقدس کا احترام ہونا اور مثالی وجود سے تشریف آوری
 قرآنی آداب سے مستثنیٰ ہے ۔ اگر نہیں ہے اور ہرگز نہیں ہے تو خدا کا
 خوف کریں اس اجتماعی جرم عظیم سے باز آئیں اور جاہل مسلمانوں کو اس بھاری
 گناہ سے بے مثال گستاخی صاف صریح قرآن مجید کی نافذاتی میں مبتلا نہ کریں ۔
 خاص طور پر روضۃ الطہر کے سامنے بلند آواز سے سلام کشی گستاخی ہے کوئی
 صحیح العقیدہ مسلمان اگر بالفرض خدا نخواستہ اتفاقاً بلند آواز سے صلوٰۃ و سلام کا
 اعلان کرے تو وہ ایک مستحب فعل کا تارک ہو گا لیکن مستحب کی مخالفت ہے
 اس کا فعل کسی وجہ میں مکروہ تو ضرور ہو گا ۔ اس ادب کا ہمیشہ ترک اور اس پر

اصرار بلکہ اس بلے ادبی کو مستحب کہنے والا تو یقیناً بدعتی ہو گا۔
لیکن حاضر ناظر کے عقیدہ سے بلند آواز کے ساتھ سلام ہر حال میں گناہ عظیم
ہو گا۔ پھر آذان سے پہلے کی بدعت شامل ہو کر اس جرم کی نوعیت کیا ہو گی
بیتنوا و تنویرا

۷۔ احناف کے فقہیہ اعظم صا دیب در مختار علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ بلند
آواز کے ساتھ درود شریف پڑھنے کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں :
و از عاج الاعضاء برفع الصوت جمل و انتباه دعاء والدعاء
یعنی بین الجہر والکخافۃ یعنی بلند آواز کی بلندی سے اعضا جہم
کو حرکت دینا (بلند آواز کی وجہ سے سر اور سینہ میں قدرتی طور پر پیدا
ہو جاتی ہے) یہ بہت بڑی چال ہے کیونکہ درود شریف تو اللہ کی
جناب میں دعا ہے اور دعا ہوتی ہے بلند اور پوشیدہ آواز کے درمیان
درمیان۔

علامہ کے ارشاد سے یہ یومی عوام اور علماء کے عقیدہ کی بنیادی غلطی پر آشکارا
حاصل ہو گی کہ درود شریف ہم لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں بھیجنے کے مجاز اور مامور نہیں ہیں بھیجنا یا پہنچانا ہمارا کام نہیں ہے۔
درود شریف آپ کی خدمت عالیہ میں پیش کرنا فرشتوں کا کام ہے ہمارا کام نہیں
ہے۔ ہمارا کام ہے اللہ کی جناب میں صلوة و سلام کی دعا مانگنا۔ دوسرا نکتہ یہ
ہے کہ درود شریف اللہ کی جناب میں دعا ہے اگرچہ حاضر کے لفظ سے پڑھا جائے
جیسا کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث کے ارشاد سے واضح ہو چکا ہے کہ درحقیقت
درود شریف اللہ کی جناب میں دعا ہے اگرچہ حاضر کے لفظ سے پڑھا جائے جب
اللہ کی جناب میں دعا ہے تو دعا کے آداب کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ دعا کا ادب یہ
ہے کہ بلند آواز اور بالکل نغیہ آواز کے درمیان درمیان ہو۔ یعنی خود اچھی طرح سن
سکے اور ساتھ درود بھی سن لے تو حرج نہیں ہے لیکن زیادہ بلند آواز جس سے بدن

کے اعضاء میں حرکت پیدا ہو جائے یہ جہالت ہے یہ بے علمی اور دین سے ناواقفیت ہے۔ جہل کا نون عظمت کے لئے ہے تو جہالت کا ترجمہ ہوگا۔ یہ جہل عظیم کا خطاب اعزازی خطاب درود شریف کو لاؤ ڈسپیکر پر پڑھنے والے شوق سے قبول فرماویں صاحب دُر مختار نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ درود شریف کلمہ توحید کی طرح کبھی کبھی نا منظور بھی ہو جاتا ہے۔ علامہ شامی نے اس پر لکھا ہے کہ درود شریف تو ہمیشہ ہی منظور ہے کیونکہ خصوصی رحمتوں کا نزول آپ کی ذات بابرکات پر ہر وقت جاری ہے۔

لیکن درود شریف پڑھنے کا ثواب تو یہ یقینی نہیں ہے بلکہ ثواب کی راہ میں کچھ رکاوٹیں ہیں کچھ آداب ہیں کچھ شرائط موجود ہیں تو ثواب ملے گا ورنہ ثواب سے محرومی ہوگی معلوم ہوا کہ دینی آداب کے بغیر درود شریف کا ثواب اور درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ بے اصولی سے بچنا بنیادی شرط ہے۔ علامہ علاؤ الدین کی یہ عبارت بلند آواز سے پڑھنے والوں کے لئے سخت تنبیہ اور گوشمالی ہے واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم ۸۔ علامہ شامی کا ارشاد ملاحظہ ہو۔

آذان بلند آواز سے پڑھنا اس لئے واجب اور ضروری ہے کہ نماز کے لئے لوگوں کو آگاہ کرنا مقصود ہے ورنہ اگر کوئی شخص اکیلا نماز پڑھنے والا ثواب کے لئے پہلے آذان کہہ دے تو اسے چاہیے کہ آہستہ آذان کہے بلند آواز سے نہ کہ لا ایل الا اللہ فی الشرع رو المختار ص ۲۶ کیونکہ دین میں اصلی قاعدہ اور اصول یہی ہے کہ ہر قسم کا ذکر آہستہ کرے کیونکہ دین کا اصلی اصول تمام اذکار میں اخفاء اور آہستگی ہے بلند آواز کسی شرعی ضرورت اور شرعی حکم کی تعمیل کے لئے ہوتی ہے۔

آذان میں آواز بلند نکالنا تو واجب ہے کیونکہ سلام کا شعائر ہے احقرم میں بیگ اور تکبیرات عید عظمت و جلال الہی کے خاص مقام ہیں۔ اس لئے جہر سنون ہے اور درود شریف کا جہر سنون اور مستحب تو کئی اصولاً غلط ہے کیونکہ بلاشبہ اللہ کی جناب میں دعا ہے بلند آواز سے دعا مانگا اسلام کی فطرت سلیمہ کو ناپسند ہے۔

حامداً ومصلیاً
بسم الله الرحمن الرحیم

رسالہ اعلان بالصلوۃ والسلام نمبر ۲

بجواب

مولانا احمد علی صاحب قصبوری۔ مضمون نوائے وقت ۲۲ اکتوبر ۱۹۸۵ء

رابطہ عالم اسلام کی قرارداد نے ہمارے ہر بان علماء بریلی میں احساس تحسین اور تلاش دلائل کی جو فضا پیدا کر دی ہے یہ عین عابدی کی نظر میں رابطہ کی یہ بہت بڑی خدمت اور کامیابی ہے۔ شریعت کے مسائل تو در ازل سے فیصلہ شدہ اور مکمل ہیں۔ برداشت اور تحمل کے پیش نظر بعض مسائل میں ترتیب آہستگی اور تدریجی رفتاری بھی موجود ہے لیکن بدعات کی شان یہ ہے کہ ہمیشہ اتھاقی حادثہ کی شکل میں نمودار ہوتی ہیں۔ پھر بچپن سے گزر کر جوانی میں جب اُن کے خدو خال نمایاں نظر آتے ہیں تو اولیاء اللہ عذاب الہی کے خوف سے شہروں کو چھوڑ کر جنگلوں کی طرف بھاگ جاتے ہیں مثلاً ہزاری نماز، شب یراست کی نماز اور کئی قسم کی نمازیں نہایت محسوم اور بھولی بھالی شکل میں شروع ہوئیں پھر علماء اسلام کی متفقہ کوششوں سے صدیوں میں ختم ہوئیں۔

آذان سے پہلے صلوۃ والسلام باواز بلند مجلس میلاد کا ایک شاخسانہ ہے یا اختصار ہے۔ ہمارے ہر بان دوستوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ یہ بدعت دنیاء اسلام کی نظر میں قابل اعتراض بھی ہو سکتی ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اپنے دلائل کو عربی زبان میں شائع فرما کر دنیا نے اسلام کو مطمئن کرنے کی کوشش فرماتے۔ یہ نہ ہو سکا تو دلائل کا جو ذخیرہ اب تک سامنے آیا ہے ایک رسالہ مولانا

مفتی غلام سرور قادری نے کلرگ سے شائع کیا ہے اور ایک مضمون مولانا احمد علی قصوری کا نوٹے وقت ۲۲ اکتوبر ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا۔

دونوں مضامین پر نظر ڈالتے سے اندازہ ہوا کہ جو کچھ اندر نقاباہر آگیا ہے اور باقی کچھ بھی نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ اس گھر میں جو کچھ بھی ہے اباحت اعلیٰ ہے جس کو علماء دین نے لاخرج فیہ کا درجہ دیا ہے۔ دیکھو المرافقات الامام الشافعیؒ کا جو مکروہ تتر ہی کے قریب ہے کیونکہ اباحت اعلیٰ اباحت شرعیہ نہیں ہے۔ اس لیے دلائل کی مزید تہ قح یلے سود ہے۔ مولانا احمد علی قصوری نے نہایت سنجیدہ اور دلنشین انداز میں اپنا موقف پیش کیا ہے لیکن مولانا کو بریلوی موقف کی کڑوسی کا احساس اس قدر شدید ہے کہ سارے مضمون میں اصل مسئلہ کا نام تک نہیں لیا۔

موضوع بحث

ہر آذان سے پہلے پوری بلند آواز سے لاؤڈ سپیکر پر مسلوٰۃ و سلام کا اعلان جس سے عوام کو آذان کی برکت کا شہید پیدا ہو سکتا ہے یہ ہمارا موضوع بحث ہے اس موضوع کے تین اجزاء ہیں :

۱۔ اعلان مسلوٰۃ و سلام

۲۔ اعلان قبل الاذان

۳۔ عوام کو کوشہ سے بچانا

ہر سہ خیرات پر مفتی صاحب کے جواب میں ضروری بحث ہو چکی ہے۔ مولانا محترم کی خدمت میں گزارش ہے کہ آپ کے دلائل سے دو دشریف پڑھنا تو شاید ثابت ہو جائے اور وہ تو ویسے بھی اہل اسلام کے ہاں مستحکم اصول ہے۔ رابطہ کی قرارداد اور اشتہار سے اس کا کیا تعلق۔ تبہید میں آپ نے فرمایا ہے :

» سب سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہماری عسجد میں آذان سے پہلے یا بعد کچھ وقفہ کر کے جو مسلوٰۃ و سلام حضورؐ کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے کچھ وقفہ کر کے۔ وقفہ کی حد کون مقرر کرے گا اور عوام کو اس کا پابند کوئی

بنائے گا۔ اس بات کی نجات کیا ہے کہ کسی بیشی نہیں ہوگی۔ کیا تمام مسابد میں وقفہ ایک جیسا ہو سکتا ہے۔

۲۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درود شریف قبول فرماتے کے لیے کوئی بارگاہ یعنی دربار قائم فرمایا ہوا ہے۔ اس بات کا جواب کتاب دست اور فقر حقیقہ سے مطلوب ہے۔ کیا درود شریف قبول فرمانا آپ کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ درود شریف اللہ کی عبادت ہے یا آپ کی۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ درود و سلام نماز روزہ حج زکوٰۃ کی طرح خالص اللہ کی عبادت ہے۔ جب مسلمان حکم الہی صلوٰۃ علیہ وسلم تو تسبیح کی تعمیل کرتا ہو اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں آنجناب سید کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں حضور صی اعزاز و اکرام کی دعا نکلتا ہے تو اس دعا کو قبول کرنا اس پر ثواب دین اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے۔ آپ کی ذات والاصفات پر رحمتوں، برکات کی بارش تو ہر وقت اللہ کی طرف سے جاری ہے۔ اس لیے نتیجہ کے اعتبار سے تو ہر شخص کا درود شریف ہر وقت قبول ہی قبول ہے لیکن قبول کا یہ معنی کہ درود شریف پڑھنے والے کو ثواب بھی ملے تو یہ خاص حالات پر موقوف ہے۔ لان القبول لہ شروط صعب فتاویٰ شامی ص ۳۵۹ کیونکہ قبولیت کی شرط بڑی کھن اور مشکل ہے۔ اللہ نے فرمایا انما ینتقل اللہ من المتقین۔ اللہ تعالیٰ صرف متقی یعنی ہر قسم کا پرہیز کرنے والوں کا عمل قبول فرماتے ہیں تو معلوم ہوا کہ قبولیت سچی نیت، اتباع سنت اور خالص عقیدہ پر موقوف ہے۔ اور قبولیت کے بعد اس کا اجر ملنا بھی اس کے فضل و کرم کی بناء پر ہے کیونکہ بندہ جو عمل بھی کرتا ہے اپنے فائدہ اور نفع کے لیے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمارے نیک اعمال سے بے نیاز اور مستغنی ہیں۔ اس نے اپنے فضل و کرم سے قبول کا وعدہ فرمایا ہے۔ اتنا انشواہ فہو مشروط بعبد الحوارش (شامی ص ۳۵) یہ درخواست تو منظور ہو چکی ہوئی ہے لیکن ثواب ملنے میں شرط یہ ہے کہ قبولیت کی تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں اور ثواب بھی کتنا۔ صاحب درحمت کی روایت کے مطابق من صلت علی مرة وتقبل الخ

جس نے مجھ پر ایک بار درود شریف پڑھا اور قبول ہو گیا تو اس کے اسی سالہ گناہ مٹا ہو جائیں گے تو درود شریف کے جس قدر فضائل حدیث شریف میں آئے ہیں سب کے سب جس عقیدہ صدق عزیمت سے وابستہ ہیں۔ اس لیے ہمیں سب سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ درود شریف پڑھنے کا مقصد کیا ہے۔

صلوٰۃ و سلام کا مقصد

سب سے پہلا مقصد اللہ رب العالمین کی رضا اور اس کے حکم کی تعمیل ہے اللہ کی بارگاہ میں قبول حاصل ہونے کے بعد فوٹنول کو آپ کی خدمت میں پہنچانے کا حکم ہو گا۔ تو ہماری طرف سے درود شریف اللہ کی جناب میں پیش ہوتا ہے پھر قبول کرنا اور جات بخشا، گناہوں کی معافی دینا رحمت نازل کرنا بے تمام فیصلے بارگاہ الہی میں ہونے میں رحمت امام فاسی نے تو ہمیں یہ بتایا ہے :

اتَّصَا بِصَلٰتِي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَنِيَّةُ الْقُرْبَةِ وَ

الِاخْتِسَابِ وَقَصْدُ التَّعْظِيمِ وَرَجَاءُ الثَّوَابِ - مطالع المسرات ۲۵

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا جاتا ہے قرب الہی کی نیت سے اور ذخیرہ آخرت سمجھ کر اور آپ کی تعظیم کے لیے اور ثواب کی امید پر۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں :

المقصود من الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم التقرب الى الله

بامتنال امره وقضاء حق النبي صلى الله عليه وسلم - درود شریف

پڑھنے کا مقصد اللہ کا حکم غنتے ہوئے اس کا قرب حاصل کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا حق ادا کرنا۔ فتح الباری ۲۲۲

امام سنہادی نے بقول البدیع ص ۱۹ مطیع انوار احمدی الدیار پر یہی الفاظ کہے ہیں

امام فاسی فرماتے ہیں فاندراد بقوله صلوٰۃ علیہ الخ صلوٰۃ کا مطلب ہے کہ اپنے رب سے دعا کرو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ فرمائے۔ اس لیے اللھم

صلی علی محمدؐ اور علیہ السلام علیہما السلام یا رسول اللہؐ دونوں جناب الہی میں دعا کے الفاظ ہیں۔ حضرت امام فاسیؒ نے ایک مقام پر درود شریف کے مقاصد بالتفصیل بیان فرمائے ہیں۔

يقصد المصلي الى رسول الله صلى الله عليه وسلم امتثال امر الله الخ
 درود شریف پڑھنے والا اللہ کا حکم ماننے کی نیت کرے اور اس کے نبی صلی اللہ
 علیہ وسلم کی تصدیق اور آپ کی ذات سے محبت اور آپ کی طرف شوق آپ کے
 مرتبہ عالیہ کی تعظیم اور انتخاب کو صلوٰۃ و سلام کا اہل سمجھنے کی نیت سے درود شریف
 پڑھے۔ (مطالع المسرات ص ۳۸)

لیکن براہ راست اپنی طرف سے درود شریف آپ کی خدمت میں عرض کرنے
 پیش کرنے کا لفظ دین میں نہیں ہے۔ امام ابن نجیم صاحب بحر زلے ہیں، بندہ
 صلوٰۃ و سلام کے لیے اللہ کی جناب میں دعا مانگتا ہے اور خود اپنی طرف سے
 صلوٰۃ و سلام کے لیے اللہ کی جناب میں دعا مانگتا ہے اور خود اپنی طرف سے
 صلوٰۃ و سلام نہیں کہتا باوجودیکہ اس کو صلوٰۃ و سلام کا حکم دیا گیا ہے اس
 میں حکمت یہ ہے کہ بندہ اسی حق کی ادائیگی سے قاصر اور عاجز ہے تو ایت میں جو
 صلوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سے آپ کی ذات شریف پر
 رحمت مانگو کیونکہ صلوٰۃ و سلام درحقیقت اللہ کا فعل ہے اور بندہ کی طرف
 نسبت مجازی ہے حقیقی نہیں ہے۔ البحر الرائق ص ۳۲۹

بحر کے الفاظ یہ ہیں ذالہ۔ فی الحقیقۃ ہذا اللہ تعلق ہے وہی وجہ ہے
 کہ صلیت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا أصلي علیہ کی بجائے اثم
 صلی اور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

فتاویٰ شامی میں بھی ہے لاق المصلي ينوي امتثال الامر
 کیونکہ درود شریف پڑھنے والا اللہ کے حکم کی تعمیل کی نیت سے پڑھتا ہے۔ لیکن
 آپ کی خدمت میں صلوٰۃ و سلام پیش کرنا یہ لفظ دین میں نہیں ہے۔

سند المشائخ حضرت امام فاسیؒ تھے یہ بھی ارشاد فرمایا۔

درویش شریف کا نفع اور فائدہ کیا صرف صلوٰۃ کی دعا مانگنے والے کو پہنچتا ہے یا آپ
صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات یا برکات کو بھی پہنچتا ہے۔ علماء کے اس میں دو قول ہیں
ابوالعباس مسبر و قاضی ابوبکر ابن العربی۔ فرعون اور سنوسنی وغیرہ ایک جماعت
فرماتے ہیں کہ درویش شریف کا مقصد اللہ کا تقرب حاصل کرنا ہے اور یہ ایسی دعا
نہیں ہے جس سے نفع اور فائدہ ہو اس کو جس کے لیے دعا کی گئی کیونکہ آپ کی ذات
شریف کو اللہ کی رحمتوں برکتوں میں کچھ کمی نہیں ہے آپ ہماری دعا سے
مستغنی ہیں۔ دوسرا قول امام ابوالقاسم قشیری وغیرہ میں چند بزرگوں کا قول ہے
حضرت امام فاسیؒ فرماتے ہیں میرے شیخ المشائخ فاسیؒ کبیر کا ارشاد ہے کہ ہر دو اقوال
میں اختلاف نہیں ہے۔ پہلا قول مقصد اور نیت میں ادب کی بناء پر ہے
یعنی درویش شریف پڑھنے والا صرف اللہ کے حکم کی تعمیل کی نیت سے پڑھے اور دوسرا
قول اللہ کی وسیع رحمت اور فضل و کرم بے حد و حساب کی بناء پر بجا ہے۔ لطف خدا
دنیا بات بے حد و حساب ہیں اس لیے زیادتی خیر و برکت کی گنجائش بھی موجود ہے۔

مطالع المسرات ص ۲۸

ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ درویش شریف پڑھنے کے وقت سب سے اعلیٰ مقصد
اپنی حق نسل کے قرب اور رضا مقصود ہونا چاہیے کیونکہ دین اسلام کا لب
لباب تعمیل حکم الہی اور محبت الہی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی محبت اللہ کے
پیار ہے۔ حضرت امام فاسیؒ کے چند الفاظ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں فرماتے ہیں
لأن ذکر الله ومحبته بالاصالة ومحبة غيره من عباده
وذكره من نبي أو ولي أو ملك إنما هي بالشيء ليست به المحبة
تعالى واهتمش لألا هو سبحانه - مطالع المسرات ص ۲۸

کیونکہ اللہ کا قول اور ان کی محبت اصل چیز ہے اور اس کے سوا کسی محبت
جو اُس کے بندے کو نجات دہی یا فزشتہ سب کی محبت اور ان سب کا ذکر

تبعی طور پر ہے بلکہ اللہ کے نیک بندے مجھے کی وجہ سے ان کے ساتھ محبت و رضا الہی کی خاطر ہے۔

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ کسی نبی یا ولی نے ذاتی طور پر ہم پر ایک ذرہ کا احسان بھی نہیں کیا اور نہ کر سکتے ہیں۔ ہمارا الہی دینی و نبوی احسانات بے شمار ہیں۔ اس لیے درود شریف پڑھنے والا اپنی نیت اس طرح درست کرے کہ میں اللہ کا حکم مان کر درود شریف پڑھنا ہوں۔ اس کا اجر بھی اللہ کریم نے قبول فرمایا تو اپنے خزانہ فضل و کرم سے دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر مان ہو کر فرشتوں کو حکم دیں گے تو ملکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میری اس دعا کو پہنچا دیں گے۔ قبول الہی ہر عبادت کا اصل ہے۔

امام ابن عابدین رحمہ اللہ درود کی ساری بحث میں حضرت امام ناسیٰ کو سند ملنے ہیں۔ دونوں جماعتوں کے قول کو پیش کرنے کے بعد فرمایا :

وہی کل من القولین الخ ہر دو قول کے مطابق درود شریف اللہ کی عبادت ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے۔ جب عبادت ہے تو اللہ کا حق ہے بندہ کا حق نہیں۔ یعنی درود شریف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حق نہیں ہے اللہ کا حق ہے۔ فتاویٰ شمس ص ۳۲

صلوات علیہ وسلم و تسلیحاً حکم الہی کی تعمیل کرنے والے وہی اہل سنت و الجماعت ہوں گے جو اعتقاد رکھتے ہوں کہ درود و سلام اللہ کا حق ہے اللہ کی عبادت ہے۔ بندہ کا حق نہیں ہے۔ اہل سنت و الجماعت کا معروف عقیدہ یہی ہے پھر اپنی طرف سے سیدھا انتخاب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درود شریف کرنے والے خدا بنتے ہیں۔ کیونکہ آپ پر سیدھا صلاۃ کرنے والا صرف اللہ رب العالمین ہے اور فرشتوں کا درود ان سید و سرور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذرہ بھی نہ دے گا ہے جو رب العالمین کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔ اہل سنت بھی اللہ رب العالمین کی جناب میں پیش کرتے ہیں۔

مولانا کی خدمت میں گزارش ہے کہ مسئلہ وسوسہ پیش کرنا جس کا ترجمہ عرض بنت ہے دین کی کتا بول سے ثابت فرمادیں۔

۲۔ علماء اہل سنت نہ تو اسے سنت گردانتے ہیں نہ واجب اور فرض مانتے ہیں۔ نہ ہی عقیدہ اسے آذان کا حصہ تصور کرتے ہیں بلکہ صرف نبی اکرم سے اظہار محبت کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔

جواب : خدا کرے کہ آپ اہل سنت بن جائیں۔ سنت اور خلاف سنت کا فرق پہچان لیں۔ گزارش یہ ہے کہ اظہار محبت کا یہ طریقہ آپ لوگوں نے خود تجویز فرمایا ہے یا دین نے بتایا ہے۔ معوی اور ہمدانی دو ہی تو باتیں ہیں تیسری بات تمہارے نہیں۔ دین میں ایسے بہت سے زندہ اصول موجود ہیں جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً محقق قاسمی نے فرمایا :

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا انظر ظاہر ہوتا ہے۔ آپ کی سنت کے اتباع میں اور آپ کے طرز زندگی پر چلتے ہیں۔ آپ کی محبت کی علامتیں اور بھی ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ تجھے اس کام اور چیز سے محبت ہو جس کے ساتھ آپ کو محبت تھی اور اس چیز سے دشمنی ہو جس سے آپ کو دشمنی تھی۔ ہر پیار سی چیز کو آپ کی محبت پر قربان کرنا اور اللہ کی یاد کے بعد آپ کی یاد سے دل کو مشغول رکھنا درود شریف کثرت سے پڑھنا آپ کے اخلاق کریمانہ کو اختیار کرنا آپ کی مبارک عادات کو بطور ادب حاصل کرنا مثلاً سخاوت، ایثار، بردباری تو واضح صبر دنیا سے بے رغبتی، دنیا والوں سے روگردانی، اہل غفلت سے کنارہ کشی، آخرت کے کاموں پر توجہ غریبوں سے محبت کرنا، غریبوں کی محبت حاصل کرنا، ان کے قریب ہونا ان کی ہمنشین اور دنیا والوں کے مقابلہ میں ان کی بڑائی کا اعتقاد رکھنا۔ اہل علم اہل زہد سے اللہ کے لیے محبت کرنا، ظالموں بدعتی لوگوں، علانیہ گناہ کرنے والوں سے نفرت کرنا آپ کے مقامات یقیناً خوف، امید، صبر، تسلیم و رضا، شوق و محبت الہی میں آپ کا اتباع کرنا آپ کے دین کی نصرت کرنا تمام بدعتوں سے بچنا

وغیرہ جس شخص نے توفیق الہی سے ان صفات کو اپنا خلق بنالیا قل ان کنتم
 تبعون الله فالتبعونی سے اس کو پورا پورا حصہ ملا (مطالعہ المسرّت علیہ السلام)۔
 سند المشائخ حضرت امام فاسیؒ نے محبت اور اظہار محبت کے تمام اصول بیان فرما
 دیئے ہیں۔ آقا نامدار سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے تمام بنیادی اصول
 اس بیان میں موجود ہیں۔ دین کے تمام اخلاقی روحانی ظاہری باطنی اصول کو شامل
 ہے۔ صالحیت شہادت صدیقیت کا سرچشمہ یہی اصول ہیں۔ دین میں آپ کے
 ساتھ محبت کا طریقہ آپ کی سنت سے محبت ہے اور بس۔

دلائل

مولانا احمد علی تصوری کی طرف سے اعلان صلوٰۃ و سلام پر پہلی دلیل سورۃ
 انزاب کی آیت صلوٰۃ علیہ وسلم تو سیدنا سے استدلال، ہمارا موقف یہ ہے
 کہ اس آیت مبارکہ میں درود و سلام پڑھنے کا حکم عموم و اطلاق پر مبنی ہے البتہ
 مختلف آداب و احکام کے پیش نظر جن اوقات و مقامات میں درود شریف
 کو ناجائز ٹھہرایا گیا ہے ان سے بچنا ضروری ہے۔

جواب : مولانا کی خدمت میں گزارش ہے کہ عموم و اطلاق کا لفظ منفی صواب
 نے بھی اپنے رسالہ میں تحریر فرمایا ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ درود شریف
 کی آیہ مبارکہ کو عام اور مطلق ٹھہرانے کے بعد یہ مختلف احکام و آداب کہاں سے
 آگئے۔ عام اسے کہتے ہیں جس کے افراد متفقہ الحدود ہوں اور وہ ان سب افراد
 پر شامل ہوتا ہے اور مطلق وہ ہے جس کے صفات اور عوارض مذکور نہ ہوں۔
 لیکن درود شریف کی آیت جب نازل ہوئی ہے اس وقت تک حضرات مجاہدہ
 کو اس کے افراد تو کجا اس کی کیفیت سرسرا نامعلوم تھی۔

اسی لیے تو عرض کیا قد علینا السلام علیک فکیف الصلوٰۃ علیک
 یاد رسول اللہ۔ حضور ہمیں آپ پر سلام پڑھنا تو معلوم ہے اب صلوٰۃ کا طریقہ

کیا ہے۔ اس حکم کی تعمیل کس طرح کی جائے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
 قُولُوا اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ اَمْ اِیْہِ تُو حضرت امام فاسی فرماتے ہیں :
 شرح الوعلیہ میں شیخ ذروق نے فرمایا اور اسی طرح قاضی ابوبکر
 ابن العربی نے فرمایا کہ درود شریف ان خاص الفاظ کے بغیر ادا ہی نہیں
 ہوتا جو آپ کی زبان مبارک سے منقول ہیں۔ تقریباً ایسا ہی شیخ
 تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ نہایت احسن اور خوبصورت درود شریف
 وہ الفاظ ہیں جو تشہد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں
 ایسے جو درود شریف نماز میں پڑھا جاتا ہے تو جس شخص نے یہ درود
 شریف پڑھا اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یقیناً درود پڑھا
 اور اسے یقیناً وہ درجہ اور ثواب ملے گا جو درود شریف کی روایت
 میں آیا ہے اور جس شخص نے کوئی دوسرا درود شریف پڑھا فہو
 فی شکک من اتیانہ بالصلوۃ والمطلوبۃ تو اس کے متعلق
 شک ہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے جس درود شریف
 کا مطالبہ فرمایا ہے وہ ادا ہوا ہے یا ادا نہیں ہوا۔ کیونکہ حضرات صحابہؓ
 نے عرض کیا تھا حضورؐ آپ پر درود کس طرح پڑھا جائے تو آپ
 نے نماز والا درود شریف اذشاد فرمایا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ
 نے درود شریف اسی کو قرار دیا اور امام نووی اور دوسرے علماء
 نے بھی دعا اور ذکر میں روایت کی پابندی کو مستحب قرار دیا ہے اور
 فرمایا کہ درود شریف میں روایت کی پابندی تو بہت بہتر اور افضل ہے
 اور کچھ علماء نے گنجائش رکھی ہے کیونکہ درود شریف کی روایات بھی
 مختلف ہیں اور بعض روایات میں نبوت، رسالت، اُمتیت، ہدایت
 وغیرہ صفات کی کئی بیشی بھی موجود ہے کہیں اُل کا لفظ ہے کہیں ذریت
 کا کہیں اولاد کا۔ پھر حضرات صحابہؓ اور سلف صالحین کے درود شریف

بھی مختلف موجود ہیں۔ حضرات محمدین اور قہارین میں صلی اللہ علیہ وسلم اور علیہ السلام جیسے مختصر درود شریف کا مروج ہونا بطور اجماع و تواتر ظاہر کرتا ہے کہ گنجائش موجود ہے۔

مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات ص ۱۸۵

تباہیں گزاریں ہے کہ جو بات از قبیل کیف ہے، اس کے افراد کہاں سے آئیں گے۔ اس کے عوارض اور صفات نمود بخود نامعلوم ہوں گے تو درود شریف کے حکم کو عموم اور اطلاق پر مبنی کہنا اصلاحات سے ناواقف ہے۔ البتہ یوں کہنا جتنا ہے کہ حکم مجمل ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یثبیت للناس ما نزلناہم ہر جمال کا بیان آپ کی شان ہے۔ قولوا اللہ صلی علی محمد سے اجمال کا بیان فرمایا۔ پھر حضرات صحابہؓ اور سلف صالحین نے آپ کی صفت عالیہ اور آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے کئی قسم کے درود شریف بیان فرمائے۔ پھر حضرات فقہاء کرام نے مناسبات سے ادب و احترام، تعظیم و تکریم کی بنیاد پر سکروہ اور مندرج مقامات بیان فرمائے۔ یہ سب کچھ اجمال الہی کا بیان ہے۔ لیکن جن لوگوں کو عموم اور اطلاق کا معنی تک معلوم نہیں وہ پندرہویں صدی میں اپنے اجتہاد سے اعلان درود شریف کو ثابت کریں تو کیا کیا جائے۔

مولانا کی خدمت میں عرض ہے کہ عموم و اطلاق کا معنی اگر پوری آزادی اور قسم کی اجازت ہے کہ ہر حالت میں ہر طریقہ سے پڑھو تو پھر یہ احکامات کہاں سے آگئے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ عبادت کے تمام طریقوں میں ہم لوگوں کو دلیل اور ثبوت کا پابند بنایا گیا ہے۔ اَتَّبِعُوا وَلَا تَتَّبِعُوا فرمانِ عالی کے پیش نظر ہم لوگ اجازت کے پابندی میں اور عبادات میں ہر قسم کی ایجادات سے ہم کو منع کر دیا گیا ہے ایک مسلمان کے لیے یہ عداوت کافی ہے کیونکہ نقلی عبادات سے لیے افعال اعلان تشہیر کو ناپسند کیا گیا ہے۔ لوافل کی جماعت سے مماثلت اس بات کا واضح ثبوت ہے کیونکہ درود شریف بلند آواز سے پڑھنا دین کے اصول و فروع میں کہیں نہیں ہے

اگر ہے تو اس کی کوئی نئی شکل دکھائیں۔ جواز ثابت کرنے کے لیے آپ کا عموم و اطلاق کافی نہیں ہے۔ ورد اقبحہ الصلوٰۃ میں بھی عموم و اطلاق ہو گا اور عموم و اطلاق کے معنی آپ کی اصطلاح میں کھلی اجازت کے ہیں تو نماز میں دیا بیوں کو گالیاں کو گالیاں دینا بھی جائز ہو گا۔

دوسری دلیل

مولانا محترم کی دوسری دلیل یہ ہے۔
معاشرہ کے حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے بلکہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ معاشرہ شریعت سازی کی بنیاد ہے۔ احوال و مصالح شریعت کی عمارت ہے۔ سامان میں۔ جب معاشرہ میں تبدیلی ہو گی تو احوال و مصالح کی بنیاد پر غیر منصوص احکام کی شکل ضرور بدلے گی۔ نمازی حضرات اگر بعد نماز کلمہ درود کا متوسط آواز سے ورد کر لیں تو شریعت کا کون سا بنیادی قانون ٹوٹ جاتا ہے۔ قرآن کریم کے تمام نسخوں میں ہر سورہ سے پہلے اُس کے مکی مدنی ہونے کی تفصیل آیات کی تعداد وغیرہ لکھی جاتی ہے کیا اس سے یہ تشبیہ ہو گا کہ یہ باتیں قرآن کریم کا جزو ہیں۔ اگر کسی زمانہ میں اس کا لحاظ نہیں کیا جائے گا تو شریعت اور معاشرہ کا رشتہ منقطع ہو جائے گا۔

جواب : معاشرہ کے حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے بلکہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ بجا فرمایا اور دوسرا فقرہ معاشرہ شریعت سازی کی بنیاد ہے ناقابل فہم اور ناگوار ہے معاشرہ کی تبدیلی کو اگر شریعت سازی کا کارنامہ قرار دیا جائے تو ہمارا دین بکارتی کی دکان بن جائے گا۔ شریعت الحمد للہ جو بن چکی ہے وہی کافی ہے۔ معاشرہ کی اصلاح ہمارا انفرادی اور اجتماعی فریضہ ہے۔ معاشرہ اور شریعت کا رشتہ قائم رکھنے کے لیے غیر منصوص یعنی اجتہادی مسائل میں شاید آپ لوگ کسی تبدیلی کا ارادہ رکھتے ہیں تو نہایت خطرناک اقدام ہو گا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین غیر متزلزل اور محکم ہے۔ دین میں مصالح مرسلمہ اور استحسان کا قاعدہ ہمیشہ

آنے والی تمام ضرورتوں کے لیے کفایت کرتا ہے لیکن اصول فقہ کے یہ دونوں قاعدے ائمہ مجتہدین کی سرپرستی میں چلتے ہیں۔ ہر شخص کی مصلحت پسندی اور ہر شخص کا استحقاق تو دین کو بچوں کا کھیل بنائے گا۔ اہل اجتہاد کے مختلف طبقات نے فقہ مذہب یا بعمر کی تکمیل فرمادی ہے۔ بوقت ضرورت دوسرے ائمہ کے مسلک پر حضرت علماء کرام فقہی سے دیتے ہیں۔ حوادث الفتاویٰ پر پورا غور و غرض ہو رہا ہے امتحان کا تعلق معاملات کے ساتھ ہے، عبادات کے ساتھ نہیں اس لیے عبادات میں ہر قسم کی جدت بدعت ہو گئی۔

آپ کا ایک جملہ نمازی حضرات اگر متوسط آواز سے کلمہ درود کا ورد کر لیں تو اس سے کونسا شریعت کا بنیادی اصول ٹوٹ جائے گا (خوب ہے لیکن :
۱۔ نمازی حضرات اگر متوسط آواز سے کلمہ درود کا ورد کرتے ہیں تو یہ بات شریعت کے کسی اصول کے تابع ہو گئی۔

۲۔ نمازی حضرات اگر آہستہ آواز سے کلمہ درود پڑھ لیں تو اس سے شریعت کا کون سا اصول ٹوٹ جاتا ہے۔

۳۔ مؤذن حضرات اگر آذان سے پہلے یا نیچے آہستہ آواز سے درود شریف پڑھ لیا کریں تو اس میں دین کا کیا نقصان ہے۔

۴۔ میلادی حضرات اگر قیام کے بغیر آہستہ سلام پڑھیں تو دین کا کونسا بنیادی اصول خطہ میں پڑ جائے گا۔

۵۔ حضرات علماء بریلی دین کی کسی کتاب سے ثابت کریں کہ بلند آواز سے درود شریف پڑھنا آہستہ پڑھنے سے افضل ہے۔ حق تو یہ ہے کہ کتاب و سنت سے دکھائیں۔ پھر دین کی کسی کتاب سے تو دکھائیں اور نہ دکھا سکیں تو اتنا اقرار تو فرمائیں کہ درود شریف آہستہ پڑھنا ہی افضل ہے اور ہم لوگ منہ نہیں چھوڑتے۔

آپ کا یہ جملہ اور بھی عجیب ہے :

۱۔ خلفاء راشدین ائمہ مجتہدین نے بشمار اقلیٰ نہ صرف قبول کئے بلکہ ان کو فروغ دیا ہے۔

مولانا بے شک مثالیں موجود ہیں لیکن ان کو اضافے نہیں کہا جاتا۔ مصلح مرسلہ کہا جاتا ہے۔ یہ حضرات مجتہدین کا کام ہے ہمارا مرتبہ یہ نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں ہر سورہ کا نام کیابت کی تعداد رموز اوقاف وغیرہ معلومات مصلح مرسلہ میں آتے ہیں۔

مصلحت مرسلہ کیا ہے، چھوڑی ہوئی بہتری کو عملی شکل دینا یعنی جس کے لیے دین میں کوئی متعین دلیل موجود نہیں ہے لیکن اصول شریعت سے اس کو مناسبت اور موافقت حاصل ہے۔ خلافت راشدہ اور دور اجتہاد میں اسے دین کا اصول قرار دیا گیا جس کی واضح مثال جمع قرآن ہے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب تک دنیا میں تشریف فرما تھے قرآن مجید کے نزول کا ہر وقت امکان تھا۔ سورتوں کی تکمیل اور امت کو سکھانا یاد کر دینا آپ کا کام تھا کیونکہ ہر سورہ ایک مستقل کتاب ہے۔ کتابی شکل میں اسے ایک جگہ جمع کرانے کا کام حضرات صحابہ کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے کتاب کا نام دیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کو منظور ہی ہے کہ سارا کھن ہوئی کتاب کی شکل میں ہو اس لیے کاتبان وحی مقرر اور مستحق تھے وہی حضرات جمع اور ترتیب کی خدمت میں کامیاب ہوئے۔ پھر اس کا تفریق چھوٹا میں بکھرا ہوا کوئی اچھی بات نہ تھی اس لیے اس کو جمع کرنے کے لیے کسی صریح دلیل کی ضرورت بھی نہ تھی صرف حضرات صحابہ کا شرح صدر کافی تھا۔ یہ شرح صدر سب سے پہلے محدث اول سیدنا عمر بن الخطاب کو ہوا۔ آپ نے خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق کو تمام قرآن مجید ایک جگہ جمع کرنے کا مشورہ دیا تو حضرت صدیق اکبر کا جواب یہ تھا میں وہ کام کیسے کروں جس کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس کام کے متعلق کسی قسم کا حکم کتاب و سنت میں موجود نہیں تھا۔ پھر جب حضرت صدیق اکبر کو اس کام کے متعلق شرح صدر بغینہ اطمینان ہوا تو حضرت

زید بن ثابتؓ کو بلا بھیجا۔ اُن کو بھی اس کام کے کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل میں اطمینان ڈال دیا تو وہ اس بار عظیم کو اٹھانے کے لیے تیار ہو گئے۔ اسی لیے بعض علماء نے لکھا ہے کہ مصلحتِ مرسلہ ایسی دلیل ہے جو مجتہد کے ذہن میں تو آ سکتی ہے لیکن بیان میں نہیں آ سکتی۔

دوسری مثال :

ہندیت میں شراب نوشی کی کوئی بدنی منہ امتقرر نہیں تھی، ڈانٹ ڈپٹ، جھڑکی اور شرمندہ کرنے تک معاملہ محدود تھا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنی خلافت میں مصلحتاً چالیس دسے بدنی منہ امتقرر فرمائی۔ سیدنا عثمانؓ کی خلافت میں نیز یہ ضرورت محسوس ہوئی تو حضرات صحابہؓ کی مجلس شوریٰ میں اُسی دسے منہ سیدنا علیؓ کے مشورہ سے مقرر ہوئی۔ یہ بھی مصلحتِ مرسلہ ہے۔ پچھلے ادوار میں کسی کو کسی بیشی کی جرأت نہیں ہوئی۔

حضرت امام ابو اسحقؒ شافعیؒ نے ایسی دس مثالیں مصالحِ مرسلہ کی بیان فرمائی ہیں اور الاعتصام میں ثابت کیا ہے کہ عبادات کے طریقوں میں یہ قاعدہ نہیں جاری ہو سکتا۔ اس قاعدہ کا تعلق انتظامی امور سے ہے۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ فرماتے ہیں ہر وہ عبادت جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے نہیں کی وہ تم بھی نہ کرو کیونکہ پہلے نے پچھلے کے لیے بات کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ اور حضرات صحابہؓ بھی خود بخود اپنی ذات سے کسی سنت کے بانی نہیں ہیں بلکہ صاحبِ سنت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مظہر ہیں۔

استحسان

مصلحتِ مرسلہ کی طرح استحسان کا قاعدہ بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے مسلک میں مسلم ہے البتہ حضرت امام شافعیؒ اس کے مخالف ہیں۔ اُن کا قول مشہور

لہ امام ابو اسحق شافعیؒ کی عظمت کے لیے یہیں مطالعِ المسرات شرح دلائل الخیرات ص ۵۷

ہے من الحسن نقد شرعاً۔ استخسان قیاس کی ایک قسم ہے جس کی تعریف یہ ہے کسی واقعی ضرورت یا مجبوری کے پیش نظر قیاس جلی کو چھوڑ کر خفی پر عمل کرنا جس میں تاثیر اور تاقوت کی روح قوی ہو۔ افق اور سہولت ہو۔ غریبوں کی بھلائی اور ہمدردی ہو یہ استخسان ہے اس کی بہت سی مثالیں دین میں شروع سے بھی موجود ہیں۔ حضرات فقہاء کرام نے مقام ضرورت میں اسے جاری فرمایا مثلاً ناپاک برتن قیاس جلی میں تو اس کا پاک ہونا مشکل تھا کیونکہ برتن بچوڑا نہیں جاسکتا تو پانی اس کے ساتھ لگتے ہی ناپاک ہو جاتا ہے تو کس طرح پاک ہوگا، تین دفعہ دھو کر خشک کرنا طہارت کے لیے باقاعدہ استخسان کافی سمجھا گیا۔ اور درختار میں آپ کا مسئلہ بھی استخسان میں شمار کیا ہے۔ فرطے ہیں۔ ہر دس آیات پر نشان لگانا اور اعراب یعنی زیر و بر پیش بزم کا نشان ظاہر کرنا اس لیے جائز ہے کہ اس سے سہولت اور آسانی پیدا ہوتی ہے۔ خاص طور پر غیر عربی ممالک کیسے فیستخسن یہ بات استخسان میں شمار ہوتی ہے۔

سہولت اور آسانی کے لفظ پر علامہ شامی نے فرمایا یہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے قول جود القرآن کی طرف اشارہ ہے کیونکہ حضرات صحابہ اہل زبان تھے قرآن کریم کو اعراب کے بغیر پڑھ سکتے تھے بعد کے عرب اور مابخصوص عجمی لوگ اعراب کے سوا ایک لفظ بھی نہیں پڑھ سکتے۔ اور کتنی چیزیں ہیں کہ وقت اور جگہ بدلنے سے ان کا حکم بدل جاتا ہے (وافح ہو کہ حدیث میں اخرج بالقرآن کا و افح حکم بھی موجود ہے) کیونکہ قرآن مجید کا پڑھنا نماز میں تو فرض ہے، غلط پڑھنا گناہ ہے اور اعراب کے بغیر دستی ناممکن ہے تو اعراب کو درستی کا معاون سمجھ کر مستحسن قرار دیا گیا، دین کی ایک واقعی ضرورت تھی اس پر مسئلہ صلاۃ و سلام کو قیاس کرنا کس قدر غلطی ہے کیا صلاۃ و سلام با واز بلند بغیر اذان بھی ناممکن ہے۔ ابجر الرائی میں مسئلہ کی وضاحت موجود ہے۔

لَا تَعْجَبْ لَیْقَدْ عَلِی الْقِرَآئَةِ اِلَّا بِالنَّفْطِ فَهَآ اِنْ حَسْنَا
تَرْجَمَ لِیْوَئِکَ عَجْی لَیْغَیْ غَیْرِیْ نَقْطَ لَیْکَ لِیْغَیْرِیْ بَیْطَیْ هِیْ نَیْسَ سَکْنَا اِسْ لِیْ نَقْطَ لَکْنَا
مُسْتَحْسِنَ هَیْ ۔

اور حضرت عبداللہ کا فرمان قرآن کو غیر قرآن سے خالی رکھو یہ حکم ان صحابہ
کے وقت میں تھا کیونکہ حضرات صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ کر صحیح
پڑھتے تھے ۔ بنا بریں سونوں کے نام اور آیات کی گنتی لکھنے میں بھی حرج نہیں
ہے اور حصے یعنی پائے رکوع وغیرہ بھی بہتر ہیں ۔ البحر الرائق ص ۲۱
واضح ہو کہ حدیث کے مقدس رسم الخط میں نقطہ نہیں ہیں ۔ حضرات فقہاء
کا ارشاد واضح ہے کہ عجمی نقطہ اور اعراب کے بغیر پڑھ ہی نہیں سکتا ۔ ضرورت اور
مجبوری اسے کہتے ہیں ۔ آپ حضرات بتائیں کیا مجبوری ہے ۔ مزید وضاحت
کے لیے دیکھیں فتاویٰ عالمگیری ص ۱۹۹ ۔ آیات کی حد بندی آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے ثابت ہے ۔ اس کو محفوظ رکھنا فردی ہے ۔ ان تفصیلات سے
قرآن پڑھنے کی تکمیل ہوتی ہے ۔

مولانا کی خدمت میں گزارش ہے کہ فقہاء حنفیہ تو بالاتفاق اعراب و تجرید کو
فردی قرار دیتے ہیں کیونکہ مَا لَا یَتِمُّ الْوَاجِبُ اِلَّا بِہِ فَہُوَ وَاجِبٌ قَاعِدٌ
مسئلہ ہے ۔ پھر آپ کے مضمون کا یہ جملہ :

ر کیونکہ تمام فقہانہ تصریح کی ہے کہ متصف کریم میں ان
عبارات کو لکھنا بدعت ہے ا

سجاتی سے کس قدر دور ہے آپ کو معلوم ہو گا کہ تابعین کے دور میں اعراب
لکائے گئے ہیں تو اس پر بغیر القرون کا اجماع ثابت ہو گا ۔
استحسان کی مثالیں دین میں بہت ہیں ۔ بیع مسلم معدوم کی بیع ہے لیکن
حدیث میں اس کی اجانت موجود ہے ۔

ہن اسلم منکم فلیسلم فی الحدیث

شرم گاہ کا ڈھانپنا فرائض میں ہے لیکن نفل اور دوا کی مجبوری سے اسے ڈاکٹر کے سامنے جائز ہے۔ مع الحرایا وغیرہ کتنی مثالیں موجود ہیں ضرورت اور مجبوری پہچاننے والے اہل اجتہاد حضرات ہیں۔ اس لیے عبادت کے کاموں میں بدعات کی ایجاد پر قاعدہ استحسان جاری کرنا کس قدر زیادتی ہو گی۔ اس لیے تو علامہ ابن عابدین نے فرمایا :

قیاس چوتھی صدی پر ختم ہو چکا تھا۔ اب کسی کو کوئی مسئلہ کسی مسئلہ پر قیاس کرنے کا حق حاصل نہیں ہے ص ۳۹۶ فتاویٰ ستھی
کیونکہ چودھویں صدی کا مجتہد غیر ضروری کو ضروری پر قیاس کرتا ہے۔

مولانا احمد علی قصوری کی تیسری دلیل

کالم ۲ دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ نفلی عبادت کے لیے اپنے اجتہاد سے کوئی بھی وقت مقرر کیا جاسکتا ہے لیکن یہ تعین شرعی نہیں ہوتی مثلاً ایام ممنوعہ کو چھوڑ کر نفلی روزہ ہر روز رکھا جاسکتا ہے لیکن حضور پر میر کے دن کا روزہ رکھا کرتے تھے۔

جواب : نفلی عبادات کے لیے اپنے اجتہاد سے کوئی بھی وقت معین کیا جاسکتا ہے، بجا ہے لیکن اجتہاد کا معنی اپنی رائے یا مرضی اور خوشی تو نہیں ہے اس تعین میں غور و فکر کے بعد اس وقت کے ساتھ کوئی مناسبت تلاش کی گئی ہو گی۔ اجتہاد فی الامر کا معنی ہے اس شخص نے اس کام کی طلب اور تلاش میں ساری قوت خرچ کر دی چنانچہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس وقت صلاۃ اللہ علیہ وسلم ہفتہ اور اتوار کا روزہ باقی دنوں کی نسبت زیادہ رکھتے تھے اور وہ یہ بیان فرماتے کہ یہ دنوں پہودہ و ساری کی عید کے دن ہیں اور میں ان کی مخالفت پسند کرتا ہوں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس سیدہ عالم صلاۃ اللہ علیہ وسلم (کبھی کبھی) پیر کا روزہ رکھتے تھے اس کی حکمت بھی حدیث میں موجود ہے حضرت ملا علی قاری نے مرقاۃ

میں اچیاناً کا لفظ لکھا ہے ۲۵۸ پیہر اور جمہرات کی حکمت سیدنا ابو ہریرہؓ کی روایت میں یوں ہے کہ ان دونوں دلوں میں لوگوں کے اعمال بارگاہِ الہی میں پیش ہوتے ہیں اور میں پسند کرتا ہوں کہ روزہ کی حالت میں میرے اعمال پیش ہوں۔ معلوم ہوا کہ معین کرنے میں کوئی دینی مصلحت ضرور ہوتی ہے۔ اور مولانا قصوری کا بیارثہ کہ آپ ہمیشہ پیہر کا روزہ رکھتے تھے علمہ حدیث کی تصریحات کے خلاف ہے کیونکہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ کبھی تو ہفتہ اتوار اور پیہر کا روزہ رکھتے تھے اور کبھی منگل بدھ جمہرات کا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف وسعت پر مبنی تھا چنانچہ سیدہ عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ اہل خانہ یختص من الایام شیئاً کیا نہیں پاک صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کے لیے کوئی خاص دن مقرر مخصوص فرماتے تھے تو سیدہ نے فرمایا لا کان عملہ دیعة۔ نہیں مخصوص فرماتے تھے آپ کا عمل بادل کی چھٹی کی مانند مسلسل اور پھیلا ہوا تھا۔ امام حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

يجب ان يكون عمله دائماً بحسن الاداء التسعة بعم تعيينها
 آپ کو دائمی عمل پسند تھا لیکن مقرر کرنے میں امت کے لیے وسعت منظور نہ تھی۔ فتح الباری ۱۲/۵

نیز فرمایا: نفلی روزوں اور رات کی نفلی عبادت میں آپ کا حال مختلف تھا کبھی پہلی رات قیام فرماتے کبھی دومیانی رات کبھی آخری رات۔ اسی طرح کبھی مہینہ کے شروع میں نفلی روزہ رکھتے کبھی درمیان میں کبھی آخر میں۔ فتح الباری ص ۱۱۹) تو تعین، تخصیص اجتہادی آپ کے عمل شریف میں نہ تھی۔ مولانا قصوری کا فرمان ہمیشہ پیہر کا روزہ رکھتے یہ روایت بخاری میں نہیں ہے البتہ صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اس لیے فتح الباری اور عمدۃ القاری

۱۔ ہمیشہ کا لفظ کسی کتاب میں بھی نہیں ہے۔

کا حوالہ ہے اور بے ثبوت۔ حضرت علامہ تھانوی کا حوالہ بے سندہ تعیین یوم اگر باعتبار قربت نہ ہو بلکہ کسی مباح مصلحت کے لیے ہو تو جائز ہے آپ حضرات کو اس میں داخل و روشنی نظر آتی ہے تو اعلان فرمادیں کہ اذان سے قبل دعوہ شریف ثواب کی خاطر نہیں ادا یہ واضح فرمادیں کہ دعوتِ تامہ یعنی اذان کے ساتھ صلوٰۃ و سلام کے اعلان کو مناسبت کیا ہے۔

مولانا قصوری کی چوتھی دلیسل

سیدنا بلالؓ فرماتے عرض کیا میرے نزدیک سب سے بڑھ قابل قبول عمل یہ ہے کہ اذان دن میں جب بھی وھو کر تاہوں تو اس وھو سے نماز پڑھتا ہوں جو میرے لیے مقدر ہے۔ غور فرمائیں کہ نفلی نماز کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح نازل کے لیے شرعاً کوئی وقت مقرر نہیں ہے اسی طرح صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے لیے بھی کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔

جواب : سیدنا بلالؓ رضی اللہ عنہ کا ایسا تحفی عمل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بتائے بغیر تحفی ادا ہو شیعہ تھا لیکن ایک خواب میں جنت کے اندر بطور خادم خاص آگے آگے جلتے ہوئے ان کے جوتوں کی آہٹ سنائی دی تو آپؐ نے صحابہ کے سامنے پوچھا اے بلالؓ تمہارا کون سا عمل ایسا ہے جس پر ثواب کی امید زیادہ رکھتے ہو۔ سیدنا بلالؓ فرماتے عرض کیا حضور میرے پاس امید افزا عمل یہ ہے کہ جب بھی میرا وھو ٹوٹا جلتے تازہ نب لیتا ہوں یعنی بروقت با وھو رہتا ہوں۔ سیدنا بلالؓ کا یہ اقدام بھی جائز قرار پایا۔ اسی طرح صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے لیے بھی کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔

مولانا کے دلائل کو دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ پڑھنے کا مسئلہ ثابت کرنے سارا مضمون ختم کر دیا۔ پڑھنا تو اعلیٰ درجہ کا نیک عمل ہے۔ کوئی بھی مسلمان پڑھنے سے محروم نہیں رہتا۔ پڑھنے کے مسئلہ میں اہل حدیث حضرات ہم

ضعیفوں کی نسبت زیادہ سخت ہیں کیونکہ احناف کے مسلک میں آخری قعدہ میں درود شریف پڑھنا فرض نہیں ہے لیکن وہ لوگ فرائض میں شمار کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو اپنی کمزوری کا پورا پورا احساس ہے اسی لیے تو بلند آواز پڑھنے کا نام تک نہیں یلتے اور نہ اس کے لیے کوئی دلیل سامنے لاتے ہیں۔ ایک وقت پڑھنے کے لیے مقرر کر لینا ہر شخص کو اس بات کی کھلی اجازت ہے رابطہ عالم اسلام بھی یہی عقیدہ رکھتا ہے۔ بات تو یہ ہے کہ نقلی عمل کا اعلان پھر آذان کے ساتھ آپ کیوں کرتے ہیں۔ ہمارے سوال کا جواب آپ کے مضمون میں سرسے ہے ہی نہیں۔

آپ کا مضمون مقصد سے بالکل خاموش ہے بہر حال کچھ بھی ہے فتح الباری میں آپ کا جواب موجود ہے۔

ابن یقین نے کہا ہے کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی بنیاد و اصول تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیے تھے۔ (۱) نماز افضل عمل ہے (۲) خفیہ عمل علانیہ عمل سے بہتر ہے (فتح الباری ص ۲۷۶) ان دو قاعدوں کے ساتھ تیسرا یہ شامل کر لیا جائے ان اللہ یحب المتواضعین و یحب المتطہرین تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا سارا عمل کتاب و سنت کی روشنی میں آجاتا ہے۔ امام ابن حجر نے یہ بھی بت دیا کہ:

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے خفیہ عمل پر ابر اور ثواب بہت بڑھا دیتے ہیں۔ فتح الباری ص ۲۷۶ ساری حدیث کا لب لباب یہ ہے اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا ارجمند عمل بھی یہی ہے کیونکہ نقلی عبادت عمدہ اور مالک کے درمیان راز کی شکل ہوتی ہے۔ علامہ شیخ بدر الدین محمود عینی فرماتے ہیں:

قیہ دلیل علی ان اللہ یُعظم المجازات الخ ترجمہ: اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے عمل کا ثواب

بہت بڑھا دیتے ہیں جس کا لازماً صرف بندہ اور رب کے درمیان ہو اور کسی دوسرے شخص کو اس پر اطلاع نہ ہو۔ علماء نے اس رازداری کو اس لیے پسند فرمایا ہے کہ بندہ اپنے عمل کا ذخیرہ اللہ کے پاس جمع رکھے اور عمل کو دیا کھڑی سے دور رکھے۔ عمدۃ القاری ص ۲۰۵

تعجب ہے کہ آپ نے سیدنا بلالؓ کے انتہائی خفیہ عمل کو لاؤڈ سپیکر پر پڑھا جانے والے صلوٰۃ و سلام کے لیے بطورِ نظیر اور مثال پیش کیا۔

مولانا قصوری کی آخری دلیل

حضرت کلثوم انصاریؓ نے سورہ اخلاص کی محبت کی وجہ سے نماز کی ہر حرکت میں اس کی قرائت کو لازماً معمول بنالیا تھا۔ حالانکہ اس کی ملاومت پر کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی کے محبت پر مبنی اس فعل پر نہ صرف راضی ہوئے بلکہ اسے جنت کی بشارت بھی دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اس فعل پر جنت کی بشارت دیں اور ہم اُمّتی اذان سے اول و آخر درود شریف پڑھنے والوں کو بدعتی قرار دیں۔

جواب: صحیح بخاری میں یہ واقعہ پوری تفصیل سے مذکور ہے۔ حضرت کلثومؓ مسجدِ قبا کے امام تھے۔ ہر رکعت میں پہلے سورہ اخلاص پڑھتے پھر کوئی دوسری سورت سنت کے مطابق پڑھتے۔ اہل محلہ نے اُن پر اعتراض کیا کہ ایسا کیوں کرتے ہو پہلے سورہ اخلاص پڑھتے ہو۔ پہلے سورہ اخلاص پڑھتے ہو پھر تمہارے خیال میں یہ کافی نہیں ہے کہ اس کے ساتھ دوسری سورت بھی ملاتے ہو یا تو یہی پڑھا کرو یا اس کی جھوڑ کر کوئی دوسری سورت پڑھ لیا کرو۔ انھوں نے جواب دیا میں اسے نہیں جھوڑوں گا اگر تمہیں میری امامت پسند ہو تو خیر ورنہ میں تمہاری امامت چھوڑ دوں گا۔ وہ سب لوگ حضرت کلثوم بن ہدم کی امامت کو بہتر سمجھتے تھے۔ اور دوسرا امام بننا پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم محلہ قبا میں

تشریف فرما ہوئے تو اہل محلہ سے آپ کی خدمت عالیہ میں یہ معاملہ پیش کر دیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارنشاد فرمایا اے فلاں جس طرح تمہیں اہل محلہ کہتے ہیں تم اس طرح کیوں نہیں کرتے اور ہر رکعت میں اس سورہ کی یا بتدی کا باعث کیا ہے انہوں نے عرض کیا حضور مجھے اس سورہ سے محبت ہے میں اسے چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔ تو آپ نے فرمایا اس سورہ کی محبت تجھے جنت میں لے جائیگی صحیح بخاری باب الحج میں السورین

علماء اہل کلام کا مشہور قاعدہ ہے کہ شخصی واقعات کو دلیل نہیں بنایا جاتا۔ قصبۃ عین لا تكون حجة مالم یعضدھا دلیل آخر المواقفات ص ۵۸ با محض جسک اسلام کے مقدس احوال کا عمل اس کے خلاف ہو۔ حضرت کلثوم بن ہرم رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے ایک عمل شروع کر دیا۔ اہل محلہ مقتدری حضرات نے اس پر اعتراض کیا کہ کام خلاف دستور ہے۔ اہل محلہ کی تنقید شاہد ہے کہ یہ کام ان حضرات نے اصولاً ناپسند فرمایا۔ یہاں تک کہ دو بار رسالت میں شکایت کے بغیر نہ رہ سکے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دغیر است پر ان کی جواب طلبی فرمائی۔

اے فلاں تم ایسا کیوں کرتے ہو لیکن جب انہوں نے محبت کا عذر پیش کر دیا، محبت بھی توحید کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کی قدر دانی فرماتے ہوئے بات کا رخ بدل دیا۔ اس سورہ کی محبت تجھے جنت میں لے جائیگی نہ یہ فرمایا کہ تمہارا عمل اچھا ہے ہمیشہ ایسا ہی کیا کرو نہ منع فرمایا معلوم ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کے ابتدائی دور کا ہے کیونکہ حضرت کلثومؓ کی وفات بھی مدنی دور کے آغاز میں ہوئی ہے۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں:

کلثوم بن الہدم مات فی اوائل ما قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدیۃ آپ کی مدینہ تشریف آوری کے ابتدائی دور میں کلثومؓ کی وفات ہو گئی۔ فتح الباری ص ۲۸

اس وقت تک فقہی مسائل زیر تکمیل تھے۔ پھر بھی ان کا عمل السابقون الاولون من المهاجرین والانصار کی نظر میں قابل اعتراض ٹھہرایا گیا۔ اور ترتیب عثمانی کے بعد دوبار اتفاق فقہاء نے اس عمل کو مکروہ قرار دیا۔ چنانچہ امام ابن حجر فرماتے ہیں :

ولا یقرء لسورة قبل سورة یخالف ترتیب المصحف
ایک رکعت میں دو سورتیں اس طرح نہ پڑھے کہ ترتیب میں پہلی پیچھے ہو
وعن احمد الحنفیة کراهة قراءة سورة قبل سورة
تخالف ترتیب المصحف

پھر امام ابن حجر نے یہ مسئلہ بھی بیان فرما دیا کہ سورتوں کی ترتیب حضرات صحیحہ کے اجتہاد سے ہے یا اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہدایات موجود تھیں۔ قاضی ابوبکر نے فرمایا کہ صحیح بات دوسری ہے اور آیات کی ترتیب دوبار اتفاق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔ فتح الباری ص ۳۹۹
تو ایک بزرگ صحابی کا ایسا عمل جو اوّل سے آخر تک ساری امت کو قبول نہیں ہے اور آپ کے پاس ہی سوال کی صورت پیش کر دی جائے تو آپ بھی یقیناً کراہت کا فتویٰ دیں گے۔ اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی علری کی وضاحت سے پہلے قابل گرفت قرار دیا اور غزیر کی وضاحت کے بعد بھی اجماعت بخصت نہیں عطا فرمائی، محبت پر بشارت عطا فرمائی اور اس عمل کے متعلق درگزر اور خاموشی اختیار فرمائی کیونکہ شریعت کے قاعدہ سب تک زیر تکمیل تھے تو صلوٰۃ و سلام کے اعلان کے متعلق ہزاروں صحیحہ کے روشن اسوہ میں سے آپ کے حصہ میں یہی واقعہ آیا مولانا آذان کے اوّل آخر درود شریف پڑھنے سے روکنا تو ہر امر غلط الزام ہے، اعلان سے روکتے ہیں کیونکہ اذکار کو بلند آواز سے پڑھنا ضرورت اور حاجت پر موقوف ہے۔ چنانچہ رات کی نمازوں میں

امام کو ترغیب دی گئی ہے کہ بقدر ضرورت بلند آواز سے قرائت پڑھے مسجد میں نمازی کم ہوں یا زیادہ اسی اندازہ سے قرائت میں آواز بلند کرے۔ علامہ ابن نجیم صاحب بحر فرماتے ہیں :

الامام اذا جهر فوق حاجة الناس فقد اساء

امام اگر لوگوں کی حاجت زیادہ بلند آواز نہ کرے تو اس نے بُرا کیا۔^{۲۳۵}

وبنا تقبل منا انك انت السميع العليم

۱۵ شعبان المعظم ۱۴۰۶ھ

۲۶ اپریل ۱۹۸۶ء



كُلُّ يَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (الحديث)

بدعت مرضی شیطان است مرضی شیطان را با حسنہ چہ کار (فرمان مجتہد ثانی)



کاخِ خیرِ یاسین

حضرت مولانا فردوس شاہ صاحب قصوی



مؤلف پیر غنمت، الصلوة والسلام، کلمہ طیبہ مع فلسفہ نماز



زیر تبصرہ کتب انہی بدعت سازوں کے رد میں ہے جس میں بڑے مدلل طریقے سے ثابت کیا گیا ہے کہ دین میں نیا اضافہ (بدعت) ہرگز کار خیر نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی رو سے شر الامور (بدترین کام) ہے۔ کتاب میں بدعات مروجہ کے رد میں قرآن و حدیث کے دلائل اور علماء و فقہاء کے احناف کے اقوال کے علاوہ اہل بدعت کے خانہ ساز دلائل اور باطل جزعومات کا بھی خوب خوب تجزیہ کیا گیا ہے۔ کتاب بڑی مدلل، نہایت پُر زور اور قابل مطالعہ ہے۔ سنت و توحید کے شیعہ اہل شروت سے ہم اپیل کریں گے کہ وہ اپنے اپنے حلقے میں کتاب کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کریں۔

(شماره نمبر ۲۰/۱۹ جلد ۳/۱۰۳ و نمبر ۳۰۶۸ صفحہ ۲۰۲/۱۰۳)

ہفت روزہ خدام الدین

حضرت مولانا سید فردوس علی شاہ صاحب تصوری جن کے قلم سے چراغِ سنت اور کلمہ طیبہ مع فلسفہ نماز جیسی شاندار کتابیں نکل چکی ہیں کا یہ رسالہ اس وقت زیرِ تبصرو ہے صفحات ۷۲ ہیں لیکن فاضل مصنف نے دریا کو زمرے میں بند کر دیا ہے۔ بدعتِ اسلام کی دشمن اور سنتِ رسول کی جڑوں پر ہمیشہ چلانے والی نخوس و مردودِ دین کا نام ہے۔ ہمارے لوگ سادہ لوح عوام کو الجھاتے اور تمدنی ترقیوں کے حوالہ سے بدعت کی اصل تعریف سے دور رہے جا کر ہر برائی اور شرک کے زہر کو شہد میں لپیٹ کر کھلانے کی فکر میں ہیں۔ حالانکہ دین کے نام پر کسی چیز کا کھٹنا الگ مسئلہ ہے اور تمدنی ترقی الگ مسئلہ۔

شاہ صاحب توحید و سنت کے والد و پیدا ہیں ان کے فلم میں ایک سچے لوحہ کی گھاٹ ہے۔ ان کے دلائل قاہرہ کے سامنے بدعتیہ و فطریعتیں عاجز و دور ماند ہیں

اور ان سے شاہ صاحب کا جواب نہیں بن پاتا۔

مولانا محمد حنیف یزدانی جنہوں نے چراغِ سنت اور کلمہ طیبہ مع فلسفہ نماز چھاپ کر ملت پراحصان کیا تھا (وہ کتابیں اب بھی مہیا ہیں) انہوں نے اس رسالہ کو بھی حسن و خوبی سے چھاپا ہے۔ پورے چار روپے قیمت ہے۔ مکتبہ نذیریہ جامع مسجد قبا چناب بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور سے دستیاب ہے۔

بدعت کی گرم بازاری میں حاملینِ سنت اور قدامتِ ان معطفی کا فرض ہے کہ اس رسالہ کی بکثرت اشاعت کریں۔ اللہ تعالیٰ معترف و ناسر کو جزائے خیر دے۔

(۲۹ صفر المظفر ۱۳۸۵ھ ۲۶ نومبر ۱۹۸۲ء)

فقہ رسالت

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	مقدمہ	۱۱۰	۸	چراغوں کی رسم ہندوؤں کی	۱۱۷
۲	نصف شعبان یعنی شبِ برات کی بدعات پر حضرت ملا علی قاری کا فیصلہ	۱۱۱	۹	دو الی کے مشابہت اور مجوس کی رسم ہے۔	۱۱۷
۳	اولیاء اللہ عذاب کے خوف سے شہروں کو چھوڑ کر بھاگ گئے	۱۱۳	۱۰	حنفی فقہ کی حیر کتاب بحر المرائق شبِ برات کو مسجدوں کیوں بازاروں میں روشنی زیادہ کرنا بدعت فرمایا۔	۱۱۷
۴	ہزاری نماز کی بدعت کب شروع ہوئی اور کب ختم ہوئی۔	۱۱۴	۱۱	فتاویٰ عالمگیری کا حوالہ کسی شخص نے وہنیت کی ہو کہ میرے مال کی ایک تہائی نیک کاموں پر صرف کی جائے۔ اس مال سے مسجد میں صرف ایک چراغ جلانا جائز ہے اور یہ مال مسجد کی زینت پر صرف نہ کیا جائے۔	۱۱۷
۵	مسجدوں میں زیادہ روشنی کی بدعت برا کہ کی ایجاد اور آتش پرستی کی سازش	۱۱۴	۱۲	میت کے لئے	۱۱۸
۶	تراویح میں ختم قرآن مجید کے موقع پر خصوصی اجتماع، جنگام، منیر بچھانا، مٹھائی یا ٹٹنا، حضرت قاری نے بحوالہ امام ابو یوسفؒ بدعت فرمایا۔	۱۱۵	۱۳	تیسرے دن کا اجتماع جمعہ	۱۱۸
۷	شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا فیصلہ	۱۱۶			

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	ہو کر قرآن پڑھنا، کئی قسم کے ختم پڑھنا۔ یتیموں کے مال سے میت کی وصیت کے بغیر رسومات کرنا بدعت ہے		۲۰	بدعت کی جامع تعریف	۱۲۶
	اور حرام		۲۱	پانچ حصوں پر تقسیم ہونے والی بدعت شرعیہ نہیں لغوی ہے۔	۱۲۷
۱۴	شیخ دہلوی کا فرمان	۱۱۸	۲۲	سوال و جواب	۱۲۸
۱۵	حافظ صاحبان کو ختم کا معاوضہ	۱۱۹		مسلمان جس بات کو اچھا سمجھیں وہ اللہ کو پسند ہے (مسلمان سے مراد صحابہؓ)	
	مٹھائی کھانا یا نقدی دینا حرام ہے اور لینا بھی حرام ہے (فتاویٰ شامی)		۲۳	سواد اعظم سے مراد علمائے دین کی اکثریت ہے۔ جہلا اور عوام کا کچھ اعتبار نہیں۔	۱۳۰
۱۶	رسالہ ذکر جہر کا جواز اور اس کے دلائل پر تنقید	۱۲۰	۲۴	سواد اعظم کی مفقود اصطلاح جہلا مراد عوام پر یونان دین کے ساتھ مزاح ہے۔	
۱۷	امام ابن نجیم صاحب بخر کا ایک اہم اصول	۱۲۱	۲۵	جماعت کے پانچ اطلاق مع تشریح	
۱۸	کسی ذکر کو اگر ہم اپنی طرف سے کسی خاص وقت یا کیفیت سے مخصوص کر دیں مثلاً درود شریف کو بلند آواز سے پڑھنا دستور بنالیں تو یہ غیر شرعی کام ہو گا۔		۲۶	سوال کیا ہر شخص کو سنت بنانے کا حق حاصل ہے مع جواب	۱۳۲
۱۹	بدعت حسنہ پر حضرت امام مجدد کا محققانہ تبصرو	۱۲۵	۲۷	خلافت راشدہ میں قرآن کریم جمع کرنے اور ترتیب دینے کا کام سنت تھا یا بدعت	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	اس کو بدعت سمجھ کر بدعت جاری کرنے کی جرأت کرنا گستاخی ہے کیونکہ صحابہ و حین کے امین ہیں۔			غلطی کو بہر یلوی علماء سے شاید کسی نے نوٹ نہ کیا یا کوئی نہ سمجھا۔	
۲۸	عبد اللہ بن عباس کی روایت سے ذکر جہر پر استدلال اور اس کا جواب	۱۴۰	۲۶	آذان سے پہلے یا پیچھے بلند آواز سے درود شریف پڑھنا نہ تنویہ ہے نہ یاد دہانی۔ سیدنا علیؑ اور ابن عمرؓ نے ایک شخص کو تنویہ کرتے دیکھا تو فرمایا بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔	۱۴۴
۲۹	دعا اور ذکر میں فرق	۱۴۱	۲۷	حضرت امام مالکؒ آذان کے پہلے یا پیچھے کوئی لفظ کہنا بدعت قرار دیتے تھے۔	۱۴۵
۳۰	حد سے بڑھنا اللہ کو پسند نہیں	۱۴۲	۲۸	حضرت ملا علی قاریؒ نے فرمایا ہمارے زمانہ میں مؤذن جو بلند آواز سے آذان کے بعد درود شریف پڑھتا ہے۔	
۳۱	حد سے بڑھنا کیا ہے		۲۹	آواز سے آذان کے بعد درود شریف پڑھتا ہے۔	
۳۲	فقہہ اعظمؒ نے درختار میں فرمایا بلند آواز سے درود شریف پڑھنا بہت بڑی جہالت ہے۔	۱۴۳	۳۰	آذان سے پہلے بلند آواز کے ساتھ درود شریف پڑھنا بدعت ہے۔	
	مولانا محمد عبد اللہ صاحب کے بودے تہذیبی پر تنقید۔	۱۴۴	۳۱	حضرات صحابہؓ کا اجتماعی ذکر کس طرح تھا۔	
۳۵	عربی زبان کے نزوق اور سلیقہ سے محرومی۔ عربی عبارت کا ترجمہ بالکل غلط کیا ہے اس	۱۴۵	۳۲	شیخ محقق دہلویؒ نے فرمایا بلند آواز تعلیم کے لئے تھی۔	
			۳۳	امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم میں فرمایا۔	۱۴۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۴۲	امام بدرالدین حسینیؑ شائع صحیح	۱۴۸		جواب باصواب	
۴۳	بخاری فرماتے ہیں۔		۴۹	فقہانے درود شریف آہستہ	۱۵۷
۴۳	مولوی محمد عمر اچھری لاہوری کی	۱۴۹		پڑھنے کی تاکید کی ہے۔	
	دیدہ دلیری		۵۰	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے	
۴۳	امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں	۱۵۰		بدعتی گروہ کو مسجد سے	
۴۵	نزیادہ بلند آواز سے ذکر کرنے	۱۵۱		نکال دیا	
	کی خرابیاں		۵۱	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ	۱۵۸
۴۶	اباحت کا معنی و مطلب	=		عنه کی عظمت	
	از مولانا محمد عبداللہ قادری قصوری		۵۲	خارجی فرقہ کا تعارف	۱۶۰
۴۷	سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۵۹	۵۳	عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کی	۱۶۲
	نے کیسا اچھا جواب دیا			تائید و تصدیق فقہار اخشاف	
۴۸	حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا	۱۶۰		نے کی ہے	

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عرض ناشر

الحمد لله وكفى وسلاماً على عباده الذين اصطفى

میرے نظر رسالہ ہدایت مقالہ "کار خیر یا بدعت" میرے مشفق مربی استادی المحترم حضرت مولانا سید فرح علی شاہ صاحب قصورہ می مؤلف چراغ سنت الصلوٰۃ والسلام، دامت برکاتہم العالیہ کا تالیف کردہ ہے جو کہ دراصل میرے استاد مولانا محمد عبد اللہ صاحب اشرف قادری برکاتی مہتمم دارالعلوم جامعہ حنفیہ رحیمپور قسور کے ایک رسالہ نمبر چہرہ کا ہوا کے جواب میں ہے۔

واقعہ یوں ہے کہ میرے استاد حضرت مولانا غلام رسول صاحب گوہر مدرس مدرسہ عالیہ نقشبندیہ قصور وغلیفہ مجازہ صاحبزادہ نور حسین صاحب علی پوری ضلع سیالکوٹ سے کسی آدمی نے مسئلہ دریافت کیا کہ نماز پنجگانہ کے بعد باذان بلند تمام نمازیوں کا آواز ملا کہ درود شریف یا کلمہ شریف وغیرہ پڑھنا شرعاً کیسا ہے۔ مولانا گوہر مدظلہ نے جواباً فرمایا کہ جائز نہیں ہے۔ فقہ حنفیہ میں ایسے امور کو بدعت کہا گیا ہے اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے فتاویٰ رضویہ میں منع لکھا ہے جبکہ دوسرے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہوا اور پاس کوئی مریض ہو یا حملہ میں کوئی مسور یا مجربیس یہ جواب اڑتے اڑتے مولانا محمد عبد اللہ صاحب کے پاس پہنچا اور انہوں نے اس پر ایک رسالہ لکھ مارا۔

بات چلتے چلتے علی پور سیال ضلع سیالکوٹ تک پہنچی۔ صاحبزادہ اختر حسین صاحب علی پور سے قصور تشریف لائے خوب چیلنج بازی ہوئی اور صاحبزادہ صاحب نے

عدم جواز کے دلائل کے ساتھ ساتھ مولانا محمد عبداللہ صاحب کو اگر وہ فقہ حنفیہ اور فاضل بریلوی کی کتب سے جواز ثابت کریں تو تقدیر انعام دینے کا بھی اعلان فرمایا۔ اس سلسلہ میں دیوبندی حنفیوں کو بھی برا بھلا کہا گیا اور غائب بن گیا کہ بعد یا آواز بلند جو درود و غیرہ سے منع کرے۔ اسے وہاں دیوبندی کہہ کر طعن و تشنیع کی گئی۔

مولانا محمد عبداللہ صاحب کا یہ رسالہ حضرت مولانا سید نذر دوس شاہ صاحب کے بھی کہیں سے ہاتھ آ گیا۔ حضرت شاہ صاحب نے رسالہ پڑھا تو بے ساختہ فرمایا کہ

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرہ خون نہ نکلا

حال تو یہ ہے کہ اذنان سے پہلے اور ہر نماز کے بعد یا آواز بلند درود شریف دینے بڑے زور و شور اور اہتمام سے پڑھا جاتا ہے لیکن دلائل نہ اتر قرآن و حدیث و فقہ حنفیہ اور فتاویٰ رضویہ بس چند بے تکی سی دلیلیں اور قیاس آرائی۔ حضرت شاہ صاحب اس سے پہلے بھی مولانا عبداللہ صاحب کے رسالہ ”الذکر لا ولیا، جائز لا غنیاء“ کا جواب چراغ سنت کی صورت میں دے چکے ہیں۔ چراغ سنت طبع ہو کہ گھر گھر پہنچ چکی ہے مولانا عبداللہ صاحب اور ان کے اکابر و اصغر اس کا جواب اب تک نہ دے سکے اور نہ دے سکیں گے۔ انشاء اللہ! اور مولانا عبداللہ کا مذکورہ رسالہ تو دوبارہ منظر عام پر نہیں آیا۔ حضرت شاہ صاحب کی توجہ بعض عقیدت مندوں نے اس رسالہ کے جواب لکھنے کی طرف دلائی آپ نے ہمیشہ یہی فرمایا کہ دونوں حضرات ایک دوسرے کو جواب دے رہے ہیں یہی کافی ہے لیکن محبتیں و مختلفین نے عرض کی کہ جو علمی اور تحقیقی گرفت آپ کریں گے وہ کسی کے بس کا روگ نہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے۔ راقم آثم کو چونکہ دونوں حضرات کے بہت ہی قریب رہنے کا موقع ملا ہے۔ اس لئے بندہ جو کچھ کہے گا علی وجہ البصیرت کہے گا۔

مولانا قادری نے قصور میں ایک دارالعلوم کی بنیاد تو رکھ دی ہے۔ اس سے ان کا کاروبار تو ماشاء اللہ خوب چل نکلا ہے۔ کوئی علمی کتاب اب تک نہیں لکھ سکے۔

مختلف فیہ مسائل میں کوئی تحقیقی مقالہ تو سپرد قلم نہ کر سکے لیکن اہل بدعت کی حوصلہ افزائی اور بدعتوں کو فروغ دینا اور دہائیوں دیوبندیوں کو برا بھلا کہنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ مزاج معالیٰ ہے جلد مشتعل ہونے والا اور دہائیوں دیوبندیوں پر الزامات کی گولہ باری کرنے والا، ملک میں بہت دفعہ مذہبی و سیاسی تحریکیں اٹھیں اور ہر جگہ قوم و ملک کے خیر خواہوں سے ہمیشہ اتفاق و اتحاد کا مکمل مظاہرہ فرمایا۔ لیکن قصور شہر میں مولانا قادری صاحب نے تحریک ختم نبوت ۱۳۵۲ھ کی ہویا ۱۳۵۳ھ کی تحریک اسلامی نظام سے کی ہو یا ۱۳۵۴ھ کی تحریک نظام معصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہو، آپ نے کبھی مسلمانوں کو متحد نہ کیا اور اگر وہ متحد ہو گئے میں تو ان کا کبھی ساتھ نہ دیا اور ہر موقع پر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ مسجد بھی بنائی مسلمانوں میں اختلافات و انتشارات کو ہوا دینا ان کی فطرت ثانیہ ہے۔ غالباً ۱۳۵۵ھ میں جب راقم آٹھ مولانا قادری صاحب کے دارالعلوم میں زیر تعلیم تھا ان دنوں حضرت الاستاذ نے مجھے جامع مسجد حنفیہ بالمقابل بلدیہ بتو کی ماہ رمضان المبارک برائے خطبات جمعہ و درس قرآن بعد نماز فجر روانہ فرمایا تو خاص طور پر تاکید فرمائی کہ بتو کی میں جا کر دہائیوں اور دیوبندیوں کے اکابرین کی جو مختلف فیہ عبارتیں ہیں انہیں مسلسل اور متواتر اپنے تبلیغی پروگراموں میں بیان کرے رہنا یعنی اختلافات کو خوب ہوا دینا۔

دوسری طرف حضرت مولانا فردوس شاہ صاحب ہیں، آپ بڑے حلیم الطبع، متواضع، منکسر المزاج اور متقی دیندار ہیں۔ آپ میں ریاکاری نام کو نہیں بڑے بااخلاص ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کا اخلاص بار بار نکھر کر ہمارے سامنے آیا ہے۔ ہم نے ہمیشہ آپ کو غفلت ہی پایا ہے۔ راقم آٹھ کو جن علماء حق سے عقیدت و محبت ہے ان میں ایک مولانا فردوس شاہ صاحب ہیں۔ آپ ۱۹۲۵ء سے علاقہ چکوال سے قصور تشریف لائے ہیں۔ آپ نے سالہا سال درس قرآن و حدیث قصور میں دیئے۔ اپنی عمر عزیز کا بیشتر حصہ تعلیم و تعلم اور درس و تدریس میں گزارا ہے اور بڑے بڑے لائق و فائق شاگرد پیدا کئے ہیں۔ ان میں علامہ خالد محمود صاحب برہنہ، مولوی برکت علی

صاحب مرحوم کوٹ رکن دین قصور شیخ جہانگیر صاحب ایم اے مرحوم سابق ہیڈ ماسٹر حنفیہ اسلامیہ ہائی سکول قصور، شاہ صاحب کا صاحبزادہ محمود شاہ صاحب پولیس انسپکٹر

لاہور وغیرہم۔

آپ کو لکھنے پڑھنے کا شوق آباؤی و خاندانی ہے۔ چند بے نظیر کتابیں بھی لکھی ہیں۔

۱۔ چراغ سنت، ارشاد اسماعیل شہید اور علماء حق کی تائید میں اور اہل بدعت کی تردید میں لاجواب کتاب۔

۲۔ کلمہ طیبہ مع نماز، ارکلمہ طیبہ اور توحید و رسالت، و عبدیت کی نہایت عمدہ تشریح جس پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ کا پیش لفظ ہے۔

۳۔ الصلوة والسلام، درود شریف کے فضائل و مسائل اور بعد نماز بیچگانہ باتوں پر بلند درود پاک پڑھنے کے سلسلہ میں اہل بدعت کی نہایت عمدہ تردید۔

طبیعت بڑی سادہ اور خود دار ہے۔ آپ کی مسجد کے نمازیوں میں بڑے بڑے مالدار لوگ ہیں لیکن آپ نے کبھی کسی مالدار سے مایہ داری کی کوٹھی کا طواف نہیں کیا۔ ادھر مولانا محمد عبداللہ صاحب قادری قصوری کراچی جا کر دہائیوں اور دیوبندیوں سے بھی اپنے دارالعلوم کے لئے چندہ مانگتے رہے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کی طبیعت بڑی سادگی پسند، قناعت پسند ہے۔ اہالیانِ قصور آپ کی سادگی اور صاف گوئی سے بڑے متاثر ہیں۔ اہل بدعت بریلوی حضرات کے سلسلہ میں آپ کا مزاج مومنانہ اور مجاہدانہ ہے۔ یوں تو شہر قصور بریلوی حضرات کا بڑا گڑھ ہے بلکہ بعض بدعتوں نے یہاں خوب فروغ پایا ہے۔ بریلوی واعظین و مبلغین یہاں کثرت، تشریف لاتے ہیں اور شرک و بدعت اور اہل بدعت کی خوب داد دیتے ہیں۔ ”جیسا کہ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ ایک دفعہ ایک اہل دل نے خواب میں دیکھا کہ شیطان فارغ بیٹھا ہے تو انہوں نے پوچھا کہ میاں تو کیوں فارغ بیٹھا ہے تو اس نے کہا کہ میرا کام علماء بدعت نے سنبھال رکھا ہے اس لئے میں فارغ ہوں۔“ یہ منظر پوری طرح شہر قصور میں دیکھا جاسکتا ہے۔

لیکن اللہ پاک نے اپنی قدرت کاملہ سے دین حنیف کی تائید و حمایت کے لئے بھی علماء حق کا سلسلہ تاقیامت جاری رکھا ہے۔

حضرت مولانا سید فردوس شاہ صاحب شرک و بدعت کے لئے سیف بے نیام ہیں۔ آپ مسلک احنفی دیوبند سنی مسلمان ہیں۔ اہلحدیث علماء سے بھی توحید و سنیت کی وجہ سے عقیدت و محبت ہے۔ بالخصوص خاندان غزنویہ کے سردار حضرت عارف باللہ سید عبداللہ غزنویؒ، حضرت الامام مولانا عبد الجبار غزنویؒ سے دینی محبت رکھتے ہیں اور یہ تو ہماری مشاہدہ کی بات ہے کہ شہر قصور میں جب بطل حریت ہینغم اسلام مولانا سید محمد داؤدؒ غزنوی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ تشریف لاتے تو حضرت شاہ صاحب ان حضرات سے ملاقات کرتے رات کو جلسہ میں ان حضرات کی تقریر پر پوری توجہ سے سماعت فرماتے، اسی خوش اعتقاد ہی کی بناء پر مولانا سلفیؒ نے آپ کی تالیف کلمہ طیبہ پر تقریظ و تصدیق لکھی۔

راقم آثم کا اپنا واقعہ ہے کہ جب میں مولانا محمد عبداللہ صاحب قادری کے دارالعلوم میں زیر تعلیم تھا تو شہر دارہ ہونے کی وجہ سے گاہے گاہے حضرت شاہ صاحب سے سلام و مصالحت کہیں نہ کہیں ہو جاتا تھا تو حضرت شاہ صاحب نے ایک دفعہ اپنے احباب سے فرمایا برعور دار محمد حنیف سیردانی بڑا موڈی و مہذب معلوم ہوتا ہے لیکن ہمارے جلسوں میں گڑ بڑ کرتا ہے جیسا کہ جامع مسیحی قصور میں قاری لطف اللہ مرحوم (کالیہ والے) کے جلسہ میں اور جامع فرید یہ اہلحدیث میں مولانا غلام اللہ خاں آف براولپٹری کے جلسہ میں اس نے گڑ بڑ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر اس نوجوان کو بد امت دے دے تو اس کی مہربانی ہے۔ خدا کی شان دعا قبول ہوئی اور راقم آثم مسلک اہلحدیث ہو گیا تو کسی شخص نے حضرت شاہ صاحب سے کہا کہ آپ نے اچھی دعا کی محمد حنیف تو اہلحدیث و دہا بی ہو گیا ہے، آپ نے فرمایا کہ بدعتی تو نہیں ہوا۔

حضرت شاہ صاحب کی عادت ہے کہ آپ قرآن وحدیث کے علاوہ مشہور اور متعارف بزرگوں کے اکثر و بیشتر حوالہ جاتا سے مسئلہ کو مدلل بیان کرتے ہیں، مثلاً

پہر غرست میں آپ نے مسئلہ توحید حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے فرمودات و تعلیمات سے واضح فرمایا ہے اور مسئلہ سنت و تردید بدعت حضرت امام محمد الف ثانیؒ کے مکتوبات سے بیان فرمایا ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن سے ہمارا موجودہ ماحول پوری طرح واقف ہے اور لوگ ان بزرگوں کا نام اکثر سنتے رہتے ہیں۔

زیرِ نظر رسالہ ہدایت مقالہ "کار خیر یا بدعت" میں بھی آپ نے قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کے ساتھ ساتھ امام ملا علی قاریؒ کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ سے باوانہ بلند بعد نماز پنجگانہ درود شریف یا کلمہ طیبہ کا ورد کرنے اور پڑھنے کے بارہ میں مسئلہ کی وضاحت کی ہے اور بتایا ہے کہ حضرت امام ملا علی قاریؒ نے بھی ایسے امور کو بدعت فرمایا ہے۔ امام ملا علی قاریؒ ہمارے ماحول میں متعارف بھی ہیں اور اہل بدعت حضرتؒ بھی ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ مقصود تفرقہ بازی کو ختم کرنا ہے اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ بدعت سے اجتناب کرنے اور سنت پر عمل کرنے کی رغبت دلانا ہے۔ اسی کا نام دین ہے اور اسی سے دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحب کو جزائے عطا فرمائے، آمین ثم آمین!
وَمَا أَرْيدُ إِلَّا الصَّلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

العبد الضعیف

محمد حنیف زرداری

مدیر مکتبہ تندریر لاہور

۲۲ شعبان ۱۴۴۵ھ

۲ مئی ۱۴۸۵ برودہ جمعہ

مقدمہ

نیکی کو برا کہنا جتنا بڑا گناہ ہے اتنا ہی برائی کو نیکی کہنا جرم ہے جیسا کہ آپ سالہ میں پڑھیں گے سنت کے ساتھ کار خیر اور بدعت کی جنگ صحابہ کے سامنے شروع ہو گئی تھی۔ حضرت صحابہؓ نے کار خیر کی چادر اوڑھنے والی بدعت کو کس سختی سے مٹایا کس تشدد اور سختی کے ساتھ اس فاحشہ کو بے پردہ کیا یہ چھوٹا سا رسالہ اس راز کو فاش کر رہا ہے۔ کئی صدیوں سے بدعت کار خیر کا لباس پہن کر سامنے آ رہی ہے۔ عوامی غوغا دین کی سادگی اور فطری حسن سے نا آشنا ہے دیکھا دیکھی لوگوں نے اپنی پسند اور اتباع نبوی سے دین حنیف پر ہزاروں غلاف چڑھا دیے ہیں قبس پر سجدہ کرنا حضرات علماء بریلوی بھی حرام قرار دیتے ہیں لیکن جہالت کے اس شور میں فتویٰ کی بات کون سنتا ہے۔ جلاء کا یہ گردہ دین کے مقاصد سے بے خبر ہزاروں بدعات اور خرافات کو دین کے نام پر اٹھاتے ہوئے رواں دواں رہتا ہے۔

بعض موقع شناس علماء کلام نے والے حضرات نے پیچھے سے آواز دی ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ تنہائی محسوس نہ کرنا جو کچھ تم کرتے ہو دین میں ان سب بدعات کی گنجائش ہے یہ تمام خرافات کار خیر کی اصطلاح میں آتی ہیں یہ درست ہیں جائز ہیں۔ بلکہ مستحب ہیں بلکہ دباہیوں کو ستانے کے لئے فرض واجب کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس لئے یہ ضروری ہیں بات لمبی ہو گئی اور صدیوں میں فیصلہ نہیں ہو رہا تھا۔

بندہ ماجرنے کار خیر کا مسئلہ امام اہلسنت حضرت علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الہاری

کے دہائی میں پیش کر دیا کیونکہ حضرت قاری فریقین کے مسلم اور نامور بزرگ ہیں امید ہے کہ ان کا فیصلہ قابل قبول ہوگا۔

شبِ برات کی بدعات کے سلسلہ میں قاری صاحب نے کارِ خیر کا سارا مسئلہ حل کر دیا ہے۔ مساجد میں زیادہ روٹیاں تراویح کے ختم کی تقریبات وغیرہ۔
مولانا علی قاری صاحب کا فیصلہ نصف شعبان کی رات یعنی شبِ برات کے متعلق جو بدعات نکالی گئی ہیں، ان میں سے ایک ہزاری نماز بھی ہے۔ سو رکعت نماز نفل یا جماعت ہر رکعت میں دس دس بار سورہ اخلاص پڑھتے تھے اور اس کا اہتمام جمعہ اور عیدین کی نمازوں سے بڑھ کر ہوتا تھا۔

عوام اس نماز کی وجہ سے بڑے بھاری قنہ میں مبتلا تھے یہاں تک کہ اس نماز کے لئے بہت روشنی کا التزام کیا جاتا تھا اور زیادہ روشنی کے باعث ایسے ایسے گناہ ادا نا جائز کام ہونے لگے جن کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے یہاں تک کہ اولیاءِ ائمہ کو یہ نظارہ دیکھ کر زمین میں دھنس جانے کے عذاب کا خطرہ محسوس ہوا اور وہ بزرگ شہروں کو چھوڑ کر بیابانوں کی طرف ہجرت گئے۔
سب سے پہلے اس نماز کی بدعت شکہ ہجری بیت المقدس میں جاری کی گئی۔ جاہلِ امام مسجدوں نے اس نماز کو نمازِ رغائب سمیت اور ایسی دوسری نقلی نمازوں سمیت عوام الناس کو جمع کرنے اپنی سرداری بنانے اور چندہ اکٹھا کرنے کے لئے جال اور چھندا بنایا۔ پھر ائمہ تعالیٰ نے کچھ بزرگانِ دین ائمہ ہدایت کو اس بدعت کے مٹانے پر بلا دیا۔ ان کی کوششوں سے یہ بدعت یہ کارِ خیر مہرِ ارشام کے مالک میں آٹھویں صدی کے شروع میں ختم ہو گئی۔ سب سے پہلے زیادہ روشنی کی بدعت مسجدوں میں برائے پیدا کی۔ کیونکہ یہ لوگ پہلے آتش پرست مجوسی تھے جب اسلام قبول کیا، دین کے اصولوں پر آتش پرستی کا طمع کرنے کی کوشش

کی ماں کا اصلی مقصد مسلمانوں کے ساتھ مل کر کوع سجد میں آتش پرستی تھا۔ اور شریعت میں کسی موقع پر بھی ضرورت سے زیادہ روشنی کرنے کو مستحب نہیں کہا گیا عوام الناس حاجی صاحبان جو جبل عرفات مزدللہ اور منی میں زیادہ روشنی کرتے ہیں۔ وہ بھی اسی قسم کی چیز ہے یعنی بدعت ہے اور امام طرسوسی نے ترقیح کے ختم قرآن مجید کے موقع پر لوگوں کا اجتماع اور وعظ کے لئے منبر رکھنا ناپسند فرمایا ہے اور فرمایا کہ بری اور ناپسندیدہ بدعت ہے میں کہتا ہوں طرسوسی پراختہ تعالیٰ رحمت نازل کرے وہ دین کی سمجھ میں کتنے باریک بین ہیں جبکہ حرمین شریفین کے لوگ بھی اس مرض میں مبتلا ہو چکے ہیں یہاں تک کہ ختم کی رات مردوں عورتوں بچوں اور لونڈی غلاموں کا آتما بڑا ہجوم ہو جاتا ہے جتنا نماز جمعہ نماز عیدین اور نماز کسوف کے لئے نہیں ہوتا اور اس پر کئی قسم کے بگاڑ اور خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ روشنیوں جگہ گرا دھر رخ کو کے بیٹھتے ہیں اور افتہ کے گھر کو بیٹھ پھیرتے ہیں۔ آگ پوجنے والوں کی طرح روشنیوں کی طرف منہ کر کے کھڑے رہتے ہیں اور شور مچانا کی وجہ سے طواف کرنے والوں نمازیوں ذکر کرنے والوں قرآن کی تلاوت کرنے والوں کو پریشان کرتے ہیں۔

مرقات شریعت ۱۹۸/۲

امام اہلسنت شیخ الحدیث حنفیہ کے مایہ ناز محدث حضرت ملا علی قاریؒ کے

۱۔ براہک۔ بیرہنکی خاندان بیہنکی خالد برہنکی دغیرہ فلسفہ منطق اور علوم جدیدہ اقتصادیات انتظامی امور کے ماہر تھے۔ خلفاء بنی عباس ہارون الرشید وغیرہ کے دور میں وزارت نظارت کے اہم عہدوں کے لالچ میں آتش پرستی کا مذہب چھوڑ کر بظاہر شرف باسلام ہوئے۔ لیکن آتش پرستی کا شوق پورا کرنے کے لیے مسجد میں قبلہ کی دیوار پر چراغاں کی رسم جاری کی تاکہ نماز پڑھتے وقت آگ کو سجدہ کر لیں۔

رفیقہ سے کار خیر یعنی بدعت کے متعلق بہت سے معلومات اور فوائد سامنے آتے ہیں نمبر وار دیکھتے۔

۱۔ نفلی نماز کا ایک طریقہ جاری کیا گیا جس کے متعلق ضعیف یا موضوع روایات بھی موجود ہیں پھر اس کا رخیر کو حضرت فاری نے بدعت کیوں قرار دیا اور علماء دین نے اس کو مٹانے کیلئے ساطحہ مین سو سال کیوں صرف کئے اس کا جواب یہ ہے کہ غیر ضروری چیزوں کا جب اہتمام کیا جاتا ہے تو دین کے ضروری کاموں کی ذرا گھٹ جاتی ہے۔ دین کی پیاس اور شوق بے فائدہ کاموں پر ضائع ہو جاتا ہے نماز یا جمعہ نماز حلال حرام کی تیز اور قدر نہیں رہتی۔

۲۔ بدعت ظاہری شکل و صورت نیکی کا کام ہوتا ہے۔ مولانا صاحب نے اسے کار خیر کا نام دیا ہے لیکن اس کی پہچان یہ ہے کہ جہاں بھی پائی جائے دین کے مزاج کے خلاف کچھ چیزیں اس میں موجود ہوتی ہیں۔ زیادہ روشنی کا نشان یہاں بھی موجود ہے یہ زیادہ روشنی شغل اور تماشائی شکل ہوتی ہے محلہ کی عورتیں اور ناقص العقل بچے کیڑے کوڑوں کی طرح روشنی کی روشنی پر دوڑتے ہیں۔ مسجد میں شور و غوغا بدتمیزی، شوخی بچوں کی بھاگ دوڑ، ہاتھ پائی سے مسجد کا احترام اور سکون ختم ہو جاتا ہے۔

۳۔ مسجد کی بے ادبی، بے حرمتی اور ناپاکی دیکھ کر ادیباء، ائمہ پر خوف طاری ہوا کہ غلاب نازل ہوگا اس نے جنگلوں کی طرف بھاگ گئے ہم لوگ ان کاموں کو عبادت اور نیکی سمجھتے ہیں دیکھتے کتنا فرق ہے۔

۴۔ شب برأت کی اس بدعت کو جاری کرنے والے اور ایجاد کرنے والے کون تھے جاہل ملا اور بے سمجھ امام مسجد جنہوں نے نیک کام سمجھ کر اسے رواج دیا۔ قاری صاحب کے الفاظ میں ان جاہلوں کا اصلی مقصد اپنی سرداری بنانا اور چندہ جمع کرنا تھا یعنی ہر بدعت اہل میں پیسہ کا دھندہ ہوتا ہے۔

۵۔ ائمہ کی سنت یہی ہے کہ رات کی اندھیری کم کرنے کیلئے چاند اور ستارے بھی آتے ہیں۔ پھر سورج اس کو ختم کر دیتا ہے۔ جب یہ بدعت بیکایک بیت المقدس سے چل کر عرب دہم میں پھیلی تو دین کے ۱۱ ممالک نے اس کو مٹانے کیلئے کئی کوششیں کیں پھر بھی ۲۵۰ سال کی مدت درکار تھی۔ ۴۴۸ ہجری میں شروع ہوا اور ۱۱ویں صدی میں ختم ہوئی۔ حق و باطل کے اس معرکہ میں اس بدعت کو کاجر کا لقب دینے والوں نے بھی کس قدر زور لگایا ہوگا اور سال بھر کی روٹیاں جن لوگوں کی اس بدعت پر پڑتی تھیں انہوں نے منتخب ثابت کرنے پر کیا کچھ دلائل پیش کئے ہوں گے وہی فرمودہ دلائل آج بھی ہمارے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہیں۔

۶۔ مسجدوں میں ضرورت سے زیادہ روشنی کا رواج کس چور دروازہ سے داخل ہوا۔ آگ پوسنے والے مجوسیوں کا یہ نشان یہ کار خیر برکی فائدان کی یادگار کس فریضے ہماری عبادت گاہوں میں داخل ہوئی اس کے دلائل کیا تھے مثلاً مسجد میں چراغ جلانا چونکہ ثواب ہے تو جتنے چراغ زیادہ ہوں گے اتنا ہی ثواب زیادہ ہوگا۔ زیادہ روشنی مسجد کی رونق اور عزت ہے۔ مسجد کی شان دین کی شان ہے۔ نیکی کا کام ہے نیکی جس قدر زیادہ ہو اتنی تھوڑی ہے اقتدار کا دباؤ دیکھ کر وقت کے علماء اور نقباء خاموش رہ گئے۔ عوام کی نظر میں دین بن گیا۔

اب ہماری مسجدوں کا یہ حال ہے کہ ضرورت سے ہزار درجہ زیادہ روشنی موجود ہیں اور ہمارے نمازی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ گھروں میں جب نیز روشنیان موجود ہیں اور گناہ ہمیں تو مسجد میں کیوں گناہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ گھر تو یا مسجد ضرورت کی حد سے زیادہ روشنی یا پانی یا کسی چیز کا استعمال فضول خرچی اور گناہ ہے اسرار اور ناشکری ہے۔

اسی لئے تو ناری صاحب نے فرمایا ضرورت سے زیادہ روشنی کسی جگہ بھی مستحب

نہیں ہے۔

۷۔ نماز تراویح کے ختم قرآن کے متعلق حضرت ملا علی قاری نے امام طرسوسی کا جو فتویٰ نقل فرمایا ہے اس کو دیکھ کر تو صاف یہ نظر آتا ہے کہ ہم لوگ دین کے امام پر جو کچھ بھی کرتے ہیں سب گناہ اور ناپسندیدہ بدعات ہیں۔ تعجب ہے کہ تراویح کے ختم قرآن مجید کیلئے اہتمام کرنا خصوصی اجتماع کرنا امام طرسوسی جیسے محقق عالم نے بدعت منکرہ قرار دیا اور حضرت ملا علی قاری اس بات کو بطور سند پیش کیا پھر خوش ہو کر یہ دعادی اللہ تعالیٰ امام طرسوسی پر رحمت نازل فرمائیں وہ دین کی سمجھ میں کتنے باریک بین ہیں قاری صاحب کا یہ ارشاد پڑھ کر ہماری حیرانی کی حد نہ جاتی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رات مسجد میں غورنویں بچوں کا ہجوم شور غوغا مٹھائی ہانٹنے وقت دھکم پیل اور چھینا بھینسی بد فہمی شوخی تو ہوتی ہے لیکن ہماری نظر میں یہ مسجد کی رونق اور آبادی کی علامت ہے قاری صاحب اور علماء کرام یہ چاہتے ہیں کہ مسجد میں کسی وقت شور غوغا نہ ہو ہر وقت مکمل سکون ہو دین کی تعلیم کیلئے بھی آواز بقدر ضرورت بلند ہو۔ قاری صاحب نے حرمین شریفین کی مثال سے واضح کیا ہے کہ ہر روز کی نماز تراویح سے زیادہ حاضری ظاہر کرتی ہے کہ غیر ضروری کو ضروری سمجھنے والوں نے دراصل ضروری کو غیر ضروری بنا رکھا ہے اور یہ بنیادی خرابی ہے اور یہ بھی واضح کر دیا کہ اس گونج گرج اور ہنگامہ میں مسجد جو ذکر تلاوت عبادت کیلئے وقف تھی اب چند گھنٹوں کے لئے عبادت کی گنجائش اس میں نہیں رہتی یہ مسجد کا غلط استعمال ہے۔

۸۔ اہلسنت حضرت ملا علی قاری کے ارشاد سے واضح ہوا کہ ہر روز کی نماز اور

۲۷ رجب کی صلوة الراتائب چند وجوہ سے بدعت ہے۔

۱۔ نوافل کی جماعت کے لئے لوگوں کو بلانا دعوت دینا اہتمام اور انتظام کرنا۔

۲۔ مسجدوں میں زیادہ روشنی کرنا کسی موقع پر بھی بدعت ہے اور

۳۔ نماز تراویح کے ختم کو قریب بنانا بھی بدعت ہے ضرورت سے زیادہ بلند آواز کے ساتھ وعظ کہنا نعت پڑھنا چلا کر لوٹنا مسجد کی بے ادبی ہے مٹھائی ہانٹنے کی وجہ سے بے نمازوں کا ہجوم اور بے ادبی کا خطرہ ہے اس موقع پر وعظ کے لئے منبر رکھنا بھی اسی میں آتا ہے اور زیادہ روشنی کا بھی یہی حکم ہے۔

شب برأت کو نوافل باجماعت کی بدعت، علماء دین کی کوششوں سے ختم تو ہو گئی لیکن بدعت مرقی مرقی بھی اپنے بچے پھوڑ جاتی ہے پنجاب کے بعض دیہات میں گلیوں، محلوں، مسجدوں میں چراغاں کی رسم شب برأت باقی ہے بعض علاقوں میں بچے شعلیں جگا کر گلیوں میں پھرتے ہیں اس کو دین کا کام اور ثواب سمجھا جاتا ہے چنانچہ علامہ محدث شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج زلیف میں اس کا ذکر فرمایا۔

آنچه متعارف است در دیار اذ سوختن چراغان و شال آں همه نامشروع است و مشابہ بدوالی مندوں و رسم محوس است۔

ترجمہ: ہمارے ملک ہندوستان میں شب برأت کے موقع پر چراغاں یا شعل وغیرہ جلانے کا رواج سب ناجائز کام ہے اور مندوں کی دیوالی سے مشابہ ہے اور مجوسیوں کی رسم ہے۔ (مدارج النبوۃ ص ۲۲۳)

ہمارے پاکستان میں جو شب برأت کو حلو پوری ہانٹنے کا نہوار بنایا گیا ہے قاری صاحب دیکھتے تو کیا کہتے۔

مسجدوں میں زیادہ روشنی کے متعلق ہمارے حنفی فقہ کے اماموں نے کیا فرمایا ہے۔

استراج البروج الکثیرۃ الخ

ترجمہ: شب برأت کو گلیوں بازاروں مسجدوں میں بہت سے چراغ

جلانا بدعت ہے اور مسجد کا متولی اگر مسجد کے مال سے زیادہ روشنی
 کرے تو اس کا حرامانہ دینے کا ذمہ دار ہوگا یعنی مسجد کا یہ نقصان اپنی
 جیب سے ادا کرے گا اسی طرح اگر رمضان کی راتوں میں اور ملتہ القدر
 یعنی ۲۷ رمضان المبارک کو زیادہ چراغ جلائے تو ضامن ہوگا پھر (الرائی) ۱۱۵
 چونکہ مسجد میں زیادہ روشنیاں بھی لوگ کا جذبہ سمجھتے ہیں اس لئے فقہ حنفی
 کے بانی از قادی عالمگیریہ سے پوچھ لینا مناسب ہوا۔ امام ابو بکر فقہیہ سے پوچھا گیا کہ
 ایک آدمی نے وصیت کی ہو کہ :

میرے مال کی ایک نہائی نیک کاموں پر خرچ کی جائے تو کیا اس مال
 سے مسجد میں چراغ جلا نا جائز ہے فرمایا جائز ہے لیکن مسجد کے ایک
 چراغ سے زیادہ نہ جو خواہ رمضان کا مہینہ ہو خواہ کوئی دوسرا مہینہ اور
 اس مال سے مسجد کی سجادٹ زینت پر بھی نہ صرف کریں۔ قادی عالمگیریہ ۱۰۳۴
 اب یہ بات واضح ہو گئی کہ کار خیر حقیقت میں صرف ایک چراغ یا ایک ہلب
 اندر باہر جہاں بھی ضرورت ہو جلا نا ہے جس سے روشنی کی ضرورت پوری ہو سکے
 بے ضرورت روشنی بھی فضول خرچی ہے۔

کار خیر کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا ہے۔ مینٹ کے لئے تیجا جو تھا سوال
 بیسواں اور چایسواں کرنا برادری کو اکٹھا کرنا، کھانا پکانا کھلانا، مولوی صاحبان
 کو بلا کر ختم پڑھانا، ختم پڑھنے والوں کو کھانا کھلانا کچھ نقدی دینا، قبر پر ختم پڑھنے
 والوں کو بٹھانا اور پھر ان کو نذرانہ دے کر رخصت کرنا سب کام کار خیر میں شمار
 ہوتے ہیں اور بریلوی علما کی سرپرستی میں جو رہے ہیں لیکن بزرگان دین ان
 کاموں کو پسند نہیں فرماتے چنانچہ حضرت شیخ نے مدارج میں فرمایا :

عادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختم خوانند الخ
 ترجمہ : مبارک زمانوں میں یہ طریقہ اور دستور نہیں تھا کہ میت کے
 ساتھ جمع ہو کر قرآن پڑھیں اور کئی قسم کے ختم پڑھیں نہ قبر پر نہ
 کسی دوسری جگہ (یعنی مسجد دینری میں) اور یہ سب چیزیں بدعت ہیں
 ہاں میت کے گھر واؤں کو تسلی دینا مہر کی تلقین کرنا سنت اور مستحب ہے لیکن یہ
 تیسرے دن کی خصوصی اجتماع اور دوسرے تکلفات اور میت کی وصیت
 کے بغیر قیہوں کا مال خرچ کرنا بدعت ہے اور حرام۔ مدارج النبوة ص ۲۳

حضرت شیخ کے ارشاد میں تین لفظ قابل غور ہیں۔

۱۔ تیسرے دن کا مخصوص یعنی خصوصی اجتماع یعنی تیجا۔

۲۔ دوسرے تکلفات یعنی تیسرے دن کی تمام رسومات۔

۳۔ قیہوں کے مال میں ناجائز تصرف۔ بدعت ہے اور حرام۔

ناطین حیران ہوں گے کہ دنیا بھر کے مسیوں ممالک میں بسنے والے اہل
 اسلام جب کہ تیجا چوتھا چالیسواں کا نام تک نہیں جانتے تو ہندو پاک میں یہ رسم
 کہاں سے آئی ظاہر ہے کہ یہ ہندوؤں کی رسم ہے ہندو تیسرے دن جلی ہوئی ہڈیاں
 میت کی چن کر لاتے اور پھل نام رکھتے پنڈت جی کو ملا کر ان ہڈیوں پر ستر جوتر
 پڑھاتے اور کئی قسم مکلف کھانے کے ساتھ اچھا ستر ضروری برتن پورا گھر سنی کا
 سامان پنڈت جی کو دیا جاتا ہے کہ میت کو پہنچا دیں۔

ہمارے امام مسجدوں نے چھل کا قل بنایا۔ باقی ساری کہانی دیہی ہے ختمات
 کا لفظ بھی قابل غور ہے جنفی فقہ کے مشنڈ اور معتبر قنادی شامی نے ان ختموں
 کے متعلق جو حافظ صاحبان، ائمہ مساجد یا دینی مدارس کے طلباء کو بلا کر پڑھاتے
 جاتے ہیں اور اس پر کچھ نقدی یا کھانا یا مسٹھائی یا کسی قسم کا معاوضہ دیا جاتا

ہے سختی سے منع فرمایا ہے۔

اگر کوئی شخص مرنے والا وصیت کرے کہ میرے مال کا کچھ حصہ خرچ کر کے اتنے ختم کرا دینا یا کسے طبیب آنا آنا پڑھا دینا تو یہ وصیت باطل ہے کیونکہ پڑھنے والوں کو معاوضہ دینا حرام ہے اور ان کے لئے لینا بھی حرام ہے اور دنیا کی کسی چیز کی خاطر قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے مولانا دینے والا اور لینے والا دونوں کھگاہوں کے کہہ کر نہ مزدوری کی صورت کے مشابہ ہے اور قرآن پڑھنے کی مزدوری سرے سے غلط ہے اگرچہ پچھلے فقہاء تفسیر نے قرآن مجید کی تعلیم امامت اور علم دین سکھانے پر تنخواہ لینا جائز قرار دیا ہے لیکن قرآن مجید کی تلاوت پر معاوضہ لینا اور دینا تمام فقہاء کے نزدیک بالاتفاق حرام ہے۔ (فتاویٰ شامی ص ۲۹۲)

واضح رہے کہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کوئی عبادت فرض ہو یا نفل نماز ہو یا روزہ حج یا زکوٰۃ صدقہ خیرات یا تلاوت کرنے والے کو یہ حق دیا گیا ہے کہ اس کا ثواب کسی زندہ یا مردہ کو دے سکتا ہے۔

یہ ایصالِ ثواب کا مسئلہ ہے اس میں غلوں اور اخلاص شرط ہے لیکن کراتے کے مزدور کا عمل ثواب سے خالی ہے نہ ثواب ہے نہ ایصالِ ثواب غلامِ کلام یہ ہے کہ ہر وہ کام جسے ہم کا خیر سمجھ لیں یا کہہ دیں وہ کا خیر نہیں بن جاتا بلکہ اس کے لئے دین کی طرف سے کوئی اجازت کوئی سند کوئی ثبوت ہونا ضروری ہے مثلاً اذان کنا نماز فرض کے لئے نیکی کا کام ہے دین کا شعار ہے لیکن اگر ہم یہی نیکی کا کام نماز عید کے لئے سورج گرہن چاند گرہن کی نماز کے لیے کریں یا قبر براذان دینے لگیں یا دکان کھولنے وقت یا زوج کے وقت اذان کہہ دیں تو یہ بدعت ہوگی اگرچہ حدیث میں اس کی نعت صریح نہیں ہے۔ والسلام

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله والصلوة على نبيه وآله وصحبه اجمعين ط
اما بعد رسالہ انوار الصوفیہ شمارہ نومبر و دسمبر ۷۹ء میں مساجد کے مروجہ شور و غوغا پر فرقہ خفی اور بریلوی فتوؤں کی روشنی میں مدلل تبصرہ کیا گیا اور حق یہ ہے کہ حق بولنے کا حق ادا کر دیا۔ توقع تو یہی تھی کہ اعلیٰ حضرت بریلوی کا واضح فتویٰ دیکھ کر دنیا بدل جائے گی لیکن حق قبول کرنے کی بجائے ایک رسالہ ذکر جہر کا جواز نامی مولانا محمد عبد اللہ صاحب کی طرف سے جواب میں آگیا رسالہ کی زبان تلخ ہے حقائق سے گریز جا بجا موجود ہے ہمارے بزرگوں کا تذکرہ بھی طنز آمیز ہے بعض مسئلہ کی وضاحت کے لئے چند مسطور عرض خدمت ہیں۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا الْآيَةَ

ذکر جہر کا جواز نام دیکھ کر حیرانی کی حد ہو گئی کیونکہ عوامی سطح پر تو اتنا زور شور ہے کہ جو شخص اذان سے پہلے بلند آواز کے ساتھ درود و سلام نہیں پڑھتا اس کو اذان کہنے کی اہانت نہیں ملتی اور جو شخص نماز کے بعد ذکر جہر نہ کرے اس کو دہائی کہا جاتا ہے پھر علیٰ سطح پر حسب مسئلہ ثابت کرنے کا دقت آیا تو نہ فرض نہ واجب نہ سنت نہ مستحب کہہ سکے بڑی مشکل سے جائز بنانے کی ناکام کوشش کی گئی۔ یہ جب کہ اعلیٰ حضرت بریلوی نامبار مقدس منور حقہ بھی افضل العبارات میں شہادہ ہوتا ہے تو اللہ کے ذکر کو جو تمام عبادتوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ غلامی غرنا کی پستی میں ڈال کر جائز بنانے کی خدمت پیش آگئی۔

یہ کہاں کا احسان سے موضوع سے مت کر ذرا حرات سے کام لیا تو مستحب کہہ دیا پھر یہ دلیل پیش کی ہے۔ **الْأَصْلُ فِي الْأَشْيَاءِ الْإِبَاحَةُ** استدلال یوں فرمایا چونکہ ذکر جہر بھی ایک چیز ہے اور سب چیزیں اصل کے اعتبار سے مباح ہیں اور چونکہ ذکر جہر کی ممانعت کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہے لہذا فرض

نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا مستحب ہے لیکن بمقام غور ہے کہ جس چیز کی ممانعت نہ ہو وہ مباح ہوتی ہے باستثناء ۹۔

اس مسئلہ میں فقہہ کے تین گروہ ہیں اصل چیزوں میں اباحت ہے یا توقف یا خطر یعنی ممانعت۔ در مختار کے باب استیلاء الکفار میں توقف کو اختیار کیا ہے۔ قتادہ می شامی کا رجحان اباحت کی طرف ہے۔ اس قاعدہ کو کم چیزوں میں تو اس طرح استعمال کر سکتے ہیں کہ مردار بکرا مثلاً اصل کے اعتبار سے مباح ہے حکم شریعت نے مردار ہو جانے کی وجہ سے اس کو حرام کر دیا۔ اگر کوئی شخص بھوک سے مرنے لگے تو جان بچانے کے لئے بقدر ضرورت کھائے شرعی مخالفت اب اس کے حق اٹھ گئی ہے اور اباحت اصلی سامنے آگئی ہے یہی حکم شراب اور خنزیر کا ہے کہ موت کے خوف اور قتل کی دھمکی کے موقع پر سب چیزیں بقدر ضرورت مباح ہو جاتی ہیں لیکن یہ بریلوی فلسفہ ہمدانی سمجھ میں نہیں آیا کہ ذکر جہر کا جواز ثابت کرنے کیلئے کوئی اضطراری حالت اور مجبوری پیش آئی کہ اس قاعدہ کا ساما لیا گیا۔ کہا عبادت کے طریقے اور بعد کے اصول بھی چیز سمجھ کر ہی قاعدہ سے ثابت کیے جاتیں گے۔ شور برپا کرنے والوں کی جان پر کوئی مصیبت ہو آئی ہے کہ مجبوراً ان کے لئے یہ کام جائز ہو گیا۔ اللہ کا ذکر جو تمام عبادات سے افضل ہے۔

وَلَوْلَا كَوْلُ اللَّهِ الْكِبَرُ (اس پر شاہد ہے) اللہ کا دین جس کی منابت بنی ہوگی، انادیت جامعیت اور کمال کو دیکھ کر سچ دیا بھر کے غیر مسلم ہرنال لاکھوں کی تعداد میں اسلام قبول کر رہے ہیں۔ آپ لوگوں کی ترمیمات اور اصلاحات کے بعد کی اس درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ اس کے مسائل کو ثابت کرنے کیلئے اباحت اصلی اور حالت اضطراری کا سہارا لیا جاتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کا کوئی طریقہ نہایت خاص کے بیان میں کی چھوڑ دی اور آج اس اصلاح و ترمیم کی ضرورت پیش آگئی۔

ہر چیز اصل میں مباح ہے یعنی ہر مفید اور نفع رسا چیز سے شرعی اجازت کے تحت نفع حاصل کرنا تو اس کا یہ مطلب کہ ہر مسئلہ بھی مباح ہے اور یہ کہ دینِ رسم کی ترمیم اور اصلاح بھی ہمارے لئے مباح ہے ذکر الہی کا جو طریقہ ہمیں پسند ہو ہم تجویز کریں وہ بھی مباح ہے اور اگر کوئی پوچھے تو اس کو یہ جواب دیا جاسے کہ ممانعت کہاں ہے اگر دین کے اصول اسی طریقہ ثابت ہو سکتے تھے تو اَتَّبِعُوا وَلَا تَتَّبِعُوا عَوَّلُکُمْ فَرَّایَا تھا فرض کرو ایک بزرگ یا راج نمازوں کے ساتھ چھٹی نماز تجویز کرنا ہے اور بہت سے سرپرست اس کی پیروی کرتے ہیں کسی ہستی میں چھٹی نماز شروع ہوجاتی ہے اس کے ساتھ وہ جماعت پر بھی کہتی ہے کہ جو لوگ ہمارے ساتھ اس نماز میں شامل نہیں ہوتے وہ بے ادب ہیں گستاخ ہیں بزرگوں کو نہیں مانتے تو اس کے پاس ہیں ان سے یہی پوچھا جاسے گا کہ بتاؤ چھٹی نماز قرآن و حدیث میں دین اسلام میں کہاں ہے اس کا جواب ان کے پاس ہی ہو گا کہ نماز ایک کار خیر ہے ہم مبتلا کو سجدہ نہیں کرتے خدا کی نماز پڑھتے ہیں دکھاؤ قرآن و حدیث میں اس کی ممانعت کہاں ہے۔

تو ایسے شخص کو سمجھانے کے لئے آپ وہی دلائل پیش کریں گے کہ جو ایک مدت سے ہم آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں آپ کو یہ کہنا پڑے گا یہ چھٹی نماز مباح نہیں ہے، بدعت ہے حرام ہے گناہ ہے اور یہ کہ دین میں اصلی چیز نبوت ہے رکاوٹ نہ ہونا کوئی جواز کی دلیل نہیں ہے اور یہ کہ سارا دین ماقال ما فعل ہے اور بس۔ اسی قاعدہ کے تحت علماء دین ہمیشہ نئے مسائل اور نئی ایجادات کو بدعت قرار دیتے رہے ہیں مثال کے طور پر معقیات کے بیان میں قاضی شامی نے آپ لوگوں کو جگانے کے لئے ایک تنبیہ لکھی ہے۔

کہ ہمارے بعد چڑھی جانے والی تسبیحات کی تعداد ۳۲ کی بجائے اگر ۳۴ کر دی

جائے تو مکروہ ہے کیونکہ مقرر شدہ عدد سے آگے بڑھنا صاحب شریعت کی بے ادبی ہے پھر فرمایا یہ بات ایسی ہے جیسے کسی چابی کے دنگالوں میں ایک دنگل بڑھا دیا جائے تو آٹا نہیں کھتا یا کسی نسخہ میں ایک جز کا اضافہ کر دیا جائے تو اس کی تاثیر بدل جاتی ہے پھر فرمایا بعض نے اس کو جائز اور ثواب سمجھا ہے لیکن دل گستی بات یہ ہے کہ یہ اضافہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں (معاذ اللہ) کمی سمجھ کر اس کو پورا کرنے کی جرات ہے قتادیؒ ۲۵۶ بھائی مسلمانو سبحان اللہ کس قدر مبارک کلمہ ہے اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرنا ہے لیکن اس کے پڑھنے کی تعداد جب نبوت کی مبارک زبان سے ثابت ہے اور ۲۴ کی ممانعت بھی نہیں ہے پھر بھی عالم ربین کی فراموشی اور پیروی دیکھئے کہ ہم جو نہ زیادہ تو اس کے اثرات خوب ظاہر ہوں گے۔ درنہ بے ادبی ہوگی وجہ اس کی یہ ہے کہ ذکر مسنون کے تمام طریقے اور کیفیات جو بیان کر دیے گئے ہیں ان میں کسی قسم کی تبدیلی کا میں حق نہیں ہے جو ذکر جہاں جہاں جن اوقات میں جس کیفیت کے ساتھ (سرایا جہراً، تجویزاً) کر دیا گیا ہے اس کو اسی صورت میں ادا کرنا ہوگا۔ صاحب بحر الرائق فرماتے ہیں۔

لَا تَذْكُرُوا اللَّهَ إِذَا أَقْصَمَكُمْ بِهِ التَّخْصِيفُ بِوَقْتٍ دُونَ وَقْتٍ وَ

بَشَى دُونَ شَيْءٍ لَمْ يَكُنْ مَشْرُوعًا حَيْثُ لَمْ يَرُدِّ بِهِ

الشَّرْعُ رِلَاقَةً يَخْلُفُ الشَّرْعَ ۱۵۹

ترجمہ: کیونکہ اللہ کے ذکر کو جب کسی خاص وقت اور خاص کیفیت

کے ساتھ اپنی طرف سے مخصوص کر دیا جلتے تو وہ شریعت کی بات نہیں

گا کیونکہ شریعت میں اس طرح نہیں آیا پھر فرماتے ہیں اب وہ خلاف

شریعت بھی ہوگا۔ ص ۶

بھائی مسلمانو دین کا یہ اہم کلمہ صاحب بحر نے اس موقع پر بیان فرمایا ہے کہ

عید الفطر کے لئے جانے والا راستے میں بلند آواز سے تکبیرات نہ پڑھے جیسا کہ عید الفطر کے موقع پر پڑھنے کا حکم ہے کیونکہ وہ حکم صرف عید الفطر کے متعلق ہے اور اداکار میں قیاس نہیں چلتا۔ حکم صریح چلتا ہے صریح حکم کے بغیر ایسا کرنا غیر شرعی کام ہے بالکل ایسا ہی قیاس رسالہ میں ایک جگہ مولانا محمد عبداللہ صاحب نے فرمایا کہ اذان کے بعد سلام کا رواج تو سلطان صلاح الدین ایوبی نے فاطمہ مضر کی بدعت کی بناء قائم کیا اگر وہ ٹھیک ہے تو ہم اذان سے پہلے جاری کرتے ہیں یہ بھی ٹھیک ہے جو اب عرض ہے کہ اذان کے بعد درود شریف پڑھنا تو حدیث سے ثابت ہے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم سنو کہ مؤذن اذان کہہ رہا ہے تو تم اس کا جواب دو پھر مجھ پر درود پڑھ کر میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کے مقام کی دعا مانگو۔ کیونکہ وسیلہ جنت میں ایک عالی مقام ہے الحج اور اذان سے کچھ دیر بعد تو یاد دہانی بھی ہو سکتی ہے لیکن پہلے پڑھنا کس بات کی یاد دہانی ہے اور بقول صاحب بحر جب کسی ذکر کو ہم کسی وقت کے ساتھ متعین اور مخصوص کریں تو یہ خلاف شرع کام ہو گا۔ یہ کلیہ ہم کو تمام تعینات تخصیصات بلکہ تمام بدعات کے استحصال کے لئے کام دے گا صدقہ خیرات کے لئے ایصال ثواب کے لئے نیجا چوتھا چالیسواں ششماہی، سالیانہ دن جو ہم نے اپنی طرف سے مقرر کر رکھے ہیں سب شریعت کی طرف سے مقرر نہیں ہیں اور جو چیز مشروع نہ ہو وہ خلاف شرع ہوتی ہے۔ بری بدعت کی تعریف میں بزرگان دین نے جو فرمایا ہے کہ بری بدعت وہ ہے جو سنت کے خلاف ہو اس کا مطلب بھی صاف ہو گا کہ جو چیز سنت سے ثابت نہیں ہے وہ سنت کے خلاف ہے کیونکہ دین کی مثال اس مکان کی سی ہے جس کو بنانے والے کاریگر نے اعلان کر دیا ہو کہ یہ مکان مکمل ہو چکا ہے اب اس میں ایک اینٹ لگانے کی جگہ بھی باقی نہیں ہے اب اگر کوئی شخص اس مکان میں ایک اینٹ لگانے کی کوشش کرے گا تو

کارگیر کا دعویٰ توڑنے کی کوشش ہوگی پھر اینٹ لگا بھی دی گئی تو ہمیشہ اجنبی بد نما بد صورت نظر آتے گی حضرت امام مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مسکن یہی ہے کہ جس چیز کو قہار نے بدعت حسنہ فرمایا ہے وہ دراصل جسے ہی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بدعت کہنا ہی زیادتی ہے اور بدعت کے بعد جو کچھ ہے وہ بدعت ہے ملاحظہ آپ کا ارشاد گرامی۔

سنت اور بدعت ایک دوسرے کی ضد ہیں ایک کا موجود ہونا دوسرے کی نفی ہے پس ایک کو زندہ کرنا دوسرے کی موت کا باعث ہے بدعت کو اچھی کہیں یا بری سنت کو مٹانے والی ہے جن علماء نے بدعت کو حسنہ کہا ہے شاید انہوں نے نسبتاً اچھا کہا ہے کیونکہ حسن مطلق کی بدعت میں گنجائش کہاں تمام سنتیں اللہ کو پسند ہیں اور تمام بدعتیں شیطان کو پسند ہیں اس زمانہ میں چونکہ بدعت پھیل چکی ہے اس لئے یہ بات لوگوں کو گراں گزرتی ہے لیکن کل نیا ممت کے دن لوگ جان لیں گے کہ ہم بدعت پر برس یادہ منقول ہے کہ حضرت امام مہدی اپنی خلافت کے زمانہ میں جب دین کو جاری اور سنت کو زندہ کریں گے تو مدینہ منورہ کا ایک عالم جو بدعت پر عمل کرنے کا حامی ہو چکا ہوگا اور بدعت کو اچھی سمجھ کر دین میں لا چکا ہوگا تعجب سے کہے گا کہ یہ شخص یعنی حضرت امام مہدی ہمارے دین کو تباہ و برباد کر رہے ہیں حضرت امام مہدی اس کو قتل کرنے کا حکم دیں گے اور اس کی اچھی بدعت کو بری قرار دیں گے مکتوب ۲۵۵ء ۲۵۶ء نیز فرماتے ہیں بلند شان مہمت کے اور کو بدعات نے چھپا لیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی رونق کو بدعات کے غبار نے ضائع کر دیا ہے عجیب بات یہ ہے کہ کچھ لوگ ان بدعات کو اچھی چیز سمجھتے

ہیں اور لوگوں کو ان کاموں کی ترغیب دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے راستے کی ہدایت فرمادیں کیا وہ لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ دین ان بدعات سے پہلے مکمل ہو چکا ہے۔ نعمت الہی پورا ہو چکی ہے اور اسی دین کو اللہ کی پسند اور رضا حاصل ہو چکی ہے۔ (ایوم اکملت لکم دینکم) دین پورا ہونے کے بعد کبھی چیزیں ایجاد کرنا درحقیقت اس آیت کا انکار کرنا ہے۔ علماء مجتہدین نے دین کے احکام کو قرآن و حدیث سے ظاہر کیا ہے۔ ایجاد نہیں کیا۔ بدعت نہیں نکالی۔ اس لئے اجتہاد ہی مسائل بدعت نہیں ہیں کیونکہ دین کا چوتھا اصل قیاس ہے۔ مکتوب منہاج

واضح رہے کہ مجددین کی شان یہی ہے بدعات کو مٹانا ان کا فرض منہجی ہے اور بدعت کی مختصر کہانی یہ ہے کہ بدعت کا لفظ سلف صالحین کے ہاں صدیوں تک نہایت ہی برا بلکہ ایک گالی کے لئے بولا جاتا تھا شاذ و نادر کبھی کوئی بزرگ اس کو نئی چیز کے معنی میں بھی استعمال کر لیتے۔ جیسے سیدنا عمرؓ نے ایک بار فرمایا نعمت البدیۃ مسلمانوں میں جب علم کلام کی وجہ سے ہر چیز کی منطقی تعریف کا رواج پڑ گیا تو بدعت کی تعریف بعض علماء نے یوں فرمائی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حق کی تعلیم امت کو ملی ہے علم یا عمل یا حال اس کے خلاف جو چیز پیدا کی گئی اچھی سمجھ کر اور لوگوں نے اسے پکا دین اور صراط مستقیم سمجھ لیا تو وہ بدعت ہے نہ الرائق و دشامی۔

یہ تعریف جامع مانع ہے لیکن جن بزرگوں نے بدعت کو باریک نگاہوں سے نہ دیکھا انہوں نے سادہ لفظوں میں بدعت کی تعریف یوں فرمائی کہ ہر نئی چیز بدعت ہے چونکہ عربی لغت میں دین سے پہلے بدعت ہر نئی چیز کو کہتے تھے اس لئے بدعت لغوی کو پانچ حصوں پر تقسیم کر دیا فرمایا بعض بدعت واجب ہیں جب

عربی صرف و نحو سیکھنا بعض مستحب ہیں جیسے مسافر خانے اور مدرسے بنانا بعض مکروہ ہیں جیسے مسجدوں میں نقاشی بعض مباح ہیں جیسے لباس اور خوراک میں فراخی بعض حرام ہیں جیسے شیعہ اور غوارج کا مذہب لیکن یہ پانچوں قسم بدعت لغوی کے ہو سکتے ہیں بدعت شرعی کے نہیں ہیں۔

سب سے پہلے شیخ ابوالعباس احمد بن ادیس قرانی مالکی اپنے شیخ عز بن عبدالسلام کے اتباع میں اس پنجگانہ تقسیم کو ساتویں صدی میں رائج کیا۔ امام نووی حافظ ابن حجر حافظ بدرالدین عینی اور فتاویٰ شامی ملا علی قاری شیخ دہلوی نے ان کا اتباع کیا۔ ان کو یہ علم نہیں تھا کہ کسی زمانہ میں یہی بدعت حسنہ کا لفظ ہزاروں بدعات حقیقیہ کا سرچشمہ بن جائے گا لیکن جب دھندلہ شاہ کا میلہ بھی بدعت حسنہ کا برقعہ لے کر سامنے آ گیا تو پچھلے علماء نے مسئلہ صاف کھول دیا چنانچہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ ملاحظہ ہو۔

ہی لغة ما عُبِلَ مِنْ غَيْرِ مِثَالِ سَبَقٍ وَاسْتَعْمِلَ فِي الشَّرْعِ بِهَذَا الْمَعْنَى اَيْ وَتَقَسَّمَ اِلَى وَاجِبَةٍ اَوْ تَوْجِهٍ، بدعت عربی میں اس چیز کو کہتے ہیں جو سابقہ نمونہ اور مثال کے بغیر بنائی گئی ہو اور شریعت میں کہیں کہیں اسی لغوی معنی سے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اور یہ پانچ قسموں پر تقسیم ہوتا ہے واجب سنت مستحب، مکروہ وغیرہ۔

رسالہ ترویج الجنان میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ پانچ حصوں پر تقسیم ہونے بدعت شرعیہ نہیں ہے۔ لغویہ ہے۔ (امام ابن حجر نے بھی فتح الباری میں وضاحت کر دی۔)

اللہ اذہبہا ما اُحْدِثَتْ وَلَيْسَ لَهُ اَصْلٌ فِي الشَّرْعِ۔ فتح الباری ص ۹

ترجمہ: بدعت وہ چیز ہے جس کی اصل شریعت میں نہ ہو۔
 سائیس صدی سے چل کر بدعت و سنت کا واضح فرق عوام کے لئے مشکل
 نکھا دوسرے ہزار کے لئے غیرت الہی نے بصورت امام مجدد الف ثانی اس مسئلہ
 کا حل دنیا پر ظاہر فرمایا۔ اب علماء عرب و غم کی بھاری اکثریت بدعت حسنہ کی
 قائل نہیں ہے۔ اب صرف دو چیزیں ہیں بدعت اور سنت، سنت کی تعریف ہے
 جو چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو قولاً یا فعلاً یا صراحتاً یا اشارتاً وہ
 سنت ہے۔ اس تعریف میں دین کے امتطافی امور بھی آجائیں گے اور اجتہادی
 استحسانی امور بھی مصالح مرسلہ بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ صرف بدعت الگ
 ہو جاتے گی۔

سوال: مسلمان جس کام کو اچھا سمجھیں وہ دین ہے یا نہیں۔
 جواب: فمأواه المسلمون حسناً فهو عند الله حسنٌ۔ حضرت عبداللہ بن
 مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کا ایک حصہ ہے پوری عبارت یوں ہے:

ان الله تعالى نظر في قلوب العباد الخ
 ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کے دلوں پر نگاہ
 ڈالی تو محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک کو چن لیا تو آپ کو اپنی
 رسالت کے ساتھ بھیجا پھر دوبارہ بندوں کے دل پر نگاہ ڈالی تو آپ
 کے لئے اصحاب چن لئے سوان کو اپنے دین کے مددگار اور وزیر بنادیا
 اس لئے وہ مسلمان یعنی صحابہ جس چیز کو اچھا سمجھیں وہ اللہ کے
 نزدیک اچھی ہے اور وہ مسلمان یعنی صحابہ جس چیز کو برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک
 بری ہے۔

ناظرین یہ پوری روایت مسند امام احمد بن حنبل، زادادری طبرانی شریف موجود ہے اسی

مضمون کی ایک دوسری روایت یوں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو میرے اصحاب کے دلوں سے بڑھ کر پاکیزہ دل کسی امتی کے نہیں تھے کیونکہ یہ سب بندوں سے نیک ہیں تو اللہ نے ان کو میرے اصحاب بنا دیا اس لئے جس چیز کو یہ اچھا سمجھیں وہ چیز دین میں اچھی ہے اور جس کو یہ برا سمجھیں وہ دین میں بری ہے۔

یہ دونوں روایتیں کثر اعمال صفت صحابہ میں موجود ہیں اور واضح کرتی ہیں کہ عام مسلمانوں کی پسند کوئی معیار نہیں ہے ہم کسی کام کو اچھا سمجھ کر کرنے لگیں تو وہ اچھا نہیں ہو جاتا۔ اَلْمُسْلِمُونَ پر جو الف اور لام ہے اگر مطلق جنس کے لئے ہو تو ۲۷ فرقے ہی حقیقہ بول گئے حالانکہ صرف ایک حق پر ہے کُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا وَاحِدًا اس لئے یہ الف لام عہد کے لئے ہوا اور معبود صحابہ میں جن کا ذکر اس روایت میں چلا آتا ہے۔ ف اور آل دونوں ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ پسند اور ناپسند صحابہ کی شان ہے اور المسلمون سے مراد صحابہ ہیں یا الف لام استغراق خاصہ جنس کے لئے ہو گا تو مطلق بول کر فرد کامل مراد لیا جائے گا یعنی علم دین میں کامل یہ حضرات مجتہدین ہیں ان کی پسند بھی سنت کا حکم رکھتی ہے اور اگر استغراق حقیقی کے لئے ہے تو تمام روئے زمین کے مسلمانوں کی پسند کا اعتبار ہو گا چونکہ سادہ دین کے مسلمان کسی ایک بدعت پر بھی متفق نہیں ہیں اس لئے کہ دنیا بھر کے گوشہ گوشہ میں مسلمان آباد ہیں اور کئی ملکوں کو بریلو می بدعات کی خیر نمک نہیں ہے۔ اس لئے ف اور آل دو ٹہا دیں ہیں اس بات کی کہ اس روایت میں صرف صحابہ کی پسند دین کہا گیا ہے اور یہ بات سرانگھوں پر لیکن کسی غیر مجتہد کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ یہ

کام اچھا ہے میں اس کو دین میں داخل کرنا ہوں ہاں دیا بھر کے علما سب کے سب یا ان کی واضح اکثریت کو یہ مقام حاصل ہے۔ امام مسجدوں کی اکثریت کسی شہر یا علاقہ میں کسی مسئلہ پر متفق ہو جائے تو یہ بے اعتبار چیز ہے۔ اہل سنت کے ہاں سواد اعظم اور جماعت سے مراد بھی علماء دین کی اکثریت ہے۔ حدیث میں جہاں سواد اعظم کا لفظ آیا ہے اس سے مسجدوں کی گنتی بھی نہیں لڑاؤں کی گنتی بھی نہیں بلکہ روستے زمین کے تمام ممالک اسلام آباد مسلم آبادی کے علمی چہنا سنت کا اتباع کرنے والے جب کسی بات پر متفق ہو جائیں تو اس اجتماعی صورت کو سواد اعظم یا جماعت مسلمین کہا جاتا ہے۔ حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں

رَأَيْتُهُمُ السَّوَادَ الْأَعْظَمَ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ أَعَاضِمَ النَّاسِ الْعُلَمَاءُ
ترجمہ: انہار میں ہے کہ عظیم جماعت کے اتباع کا حکم دینے سے
پتہ چلتا ہے کہ عظیم تر لوگ علماء ہیں اگر چہ ان کی تعداد تھوڑی ہو۔ اسی لئے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سواد اعظم فرمایا سواد اکثر نہ فرمایا کیونکہ عوام اور
جہاں کی بیشتر اکثریت ہوتی ہے مرقاة صفحہ ۲۷۱۔ نیز فرماتے ہیں:-
وَلَا يُعَدُّوْنَ لِإِجْمَاعِ الْعَوَامِ لِأَنَّهُ لَا يَكُونُ عَلَى عِلْمٍ۔

ترجمہ: عوام کی کثرت کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ یہ اجتماع علم سے
نہیں ہوتا۔ یعنی بے علمی کی وجہ سے الٹا سوچتے ہیں۔ مرقاة صفحہ ۲۷۹
شیخ عبدالحی محدث دہلوی فرماتے ہیں:-

وَالْمَرَادُ بِالْحَقِّ عَلَى إِتْبَاعِ مَا عَلَيْهِ الْأَكْثَرُ مِنَ الْعُلَمَاءِ الْمُسْلِمِينَ۔
ترجمہ: سواد اعظم کے اتباع کے حکم کا مطلب یہ ہے کہ اہل اسلام
کے علماء دین کی اکثریت جو اس کے پیچھے چلو۔

بزرگوں نے فرمایا کہ

اگر ساری دنیا میں ایک ہی عالم دین سنت کی پیروی کرنے والا ہو تو وہی
ایکلا سواد اعظم ہے۔ الاعتصام ۲۲۵
لفظی ترجمہ: سواد اعظم کا ترجمہ تو اکثریت کا ہو سکتا ہے لیکن جیسا کہ عزتِ اسلام
کی حدیثوں سے ظاہر ہے بے علم عوام کو حق کا معیار قرار دینا دینی مقاصد کے سراسر
خلاف ہے۔

دین نے اکثریت کو صرف قیام امن کے لئے معتبر قرار دیا ہے یعنی جب
مسلمانوں کی کوئی حکومت امن عامہ قائم رکھنے میں کامیاب ہو اکثریت نے
اس کی اطاعت قبول کر لی ہو تو حکمران جیسا بھی ہو جب تک کھلم کھلا کفر نہ پھیلاتا
ہو اس کی اطاعت ضروری اور بغاوت گناہ ہے۔ آئینی طریقوں سے بہتر کی
تلاش اور بات ہے بغاوت کے لئے ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں ہے
ایسے موقع پر جماعت یا سواد اعظم کے ساتھ رہنے کا حکم آیا ہے علماء نے لفظ
جماعت کے پانچ استعمال کئے ہیں۔
۱۔ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا۔

ابو دردار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
کسی بستی میں تین آدمی رہتے ہوں اور نماز باجماعت نہ پڑھی جاتی ہو تو
ان پر شیطان نے غلبہ پالیا ہے فعلیکم بالجماعة (الرواد و نسائی)
۲۔ فتنہ فساد کے موقع پر جماعت کا ساتھ دینا تاکہ امن قائم ہو محمد بن
بھیر بن فرماتے ہیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت
کے موقع پر ابو مسعود انصاریؓ نے کسی پوچھنے والے کو وضیت
فرمائی جماعت یعنی اکثریت کے ساتھ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کی امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرتے۔

۳۔ جماعت سے مراد صحابہ کی جماعت ہے یعنی جب کسی مسئلہ پر صحابہ کا اجماع اور اتفاق ہو جائے تو وہ دین ہے عوام نہیں بلکہ صحابہ۔ ما انا علیہ وأصحابی۔

۴۔ اہل علم اور علماء دین کی جماعت کیونکہ اللہ تعالیٰ نے علما کو مخدوقِ پجرت اور دلیل ٹھہرایا ہے اور عوام دین میں ان کے تابع ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے جماعت سے مراد علماء دین کی جماعت ہے لہذا
الاغصام اور علماء سے مراد حضرات مجتہدین ہیں (فتح الباری ص ۸۱)۔

۵۔ ہر زمانہ کے اہل حل و عقد یعنی ارکان مجلس شوریٰ جن کے مشورہ سے حکومت قائم ہوتی ہے وہ جماعت ہے جس کا اتباع ضروری ہے۔

نوٹ: یہ پانچوں نمبر فتح الباری شرح صحیح بخاری ص ۸۱-۸۲ علیہ السلام اور عمدۃ القاری شرح بخاری ص ۱۹۵ اور ۶۵ پر موجود ہیں۔
حضرت قاری فرماتے ہیں۔

قال الطیبی المراد من الجماعة الصحابة ومن بعدهم
من التابعین وتبع التابعین من السلف الصالحین۔ مرقاة ص ۲۱۵
اور بدعتی کے مطلق فرمایا من فارق الجماعة تشبہا کی شرح میں
جو شخص سنت چھوڑ کر بدعت کی طرف تھوڑا بھی سرک گیا اس نے اسلام کی
رسی گلے سے نکال دی (مرقاۃ ص ۲۱۶)۔

یعنی جماعت سے الگ ہونا سنت سے بدعت کی طرف جانا ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت میں جناب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کا فرمان یوں ہے۔

میری امت پر ٹھیک اور براہِ وہ سب باتیں آئیں گی جو یہود نصاریٰ

پہلے پھر وہ ۲۷ فرقوں میں تقسیم ہوئے اور میری امت ۲۷ فرقوں پر بٹنے لگی۔ ایک کے سوا سب دوزخ میں جاؤں گے۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ ایک فرقہ کون لوگ ہیں ان کی پہچان کیا ہے فرمایا وہ لوگ جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوں گے وہی جماعت ہیں۔

حضرت طلحہ علی قاری فرماتے ہیں ۲۷ جو دوزخ میں جاتے ہیں گئے وہ بدعت کی وجہ سے۔ مبتدعہم مستحقۃ لدخولہا۔

معمولی غور سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہ وہ نصاریٰ کی سب سے بڑی گمراہی کا سبب بزرگوں کی ناجائز تعظیم بزرگ پرستی اور قبر پرستی ہے جس کا ذکر قرآن مجید اور حدیث شریف میں۔ جا بجا موجود ہے اور جو لوگ حضرت امام مجدد الف ثانی کی راہ پر یعنی ان بدعت کے خلاف عائد بنا کر لڑ رہے ہیں وہی سنت رسول اللہ اور طریقہ صحابہ پر قائم ہیں وہی جماعت ہیں۔ وہی سواد اعظم کے ساتھ ہیں کیونکہ ۲۷ فرقوں میں ایک کو جماعت فرمایا ہے اور اہم ہے کہ حتیٰ پر چلنے والے تھوڑے ہوں گے اور یہی لوگ ہیں جن کو حدیث میں عزیر کہا گیا ہے کیونکہ عربی زبان میں غریب کا معنی عجیب ہے کہتے ہیں یہ بات بڑی عجیب و غریب ہے اور غریب کا معنی مسافر اجنبی، پردیسی بھی ہے یعنی لوگ اس سنت پر عمل کرنے والے کو اجنبی الگ مذہب والا سمجھ کر مسجدوں سے نکال دیں گے۔ فرمایا:

اسلام شروع شروع میں بھی غریب تھا اور آخر زمانہ میں بھی ایسا ہی یعنی غریب ہو جائے گا (بدعتی جاہلوں کی کثرت ہوگی اور اہل سنت کی قلت، کسی نے پوچھا حضور غریب کون ہیں فرمایا:

غریب اور غریب وہ لوگ ہیں جو میرے بعد میری بگاڑی ہوئی سنتوں کی اصلاح

کریں گے یعنی چھوڑ دی ہوئی سنتوں کو قائم کرنے کی کوشش کریں گے لوگوں کو سنت اور بدعت کا فرق بتائیں گے۔

اس لئے کہ یہ فرقوں والی روایت میں یہ الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں۔
اعظمها فتنۃ الدّٰین یَقِیْسُوْنَ اَلْاُمُوْمَا بِرَاِیْہِم۔

ترجمہ: سب سے بڑا فتنہ وہ جماعت ہے جو لوگ مسائل کو اپنی رائے سے سوچنے میں مثلاً یہی بات یہ کام اچھا ہے یا خیر ہے ہم نے جاری کیا ہے اس لئے مستحب ہے۔ خود ہی اچھا کہہ کر مستحب بنالیا کھا صاحب شریعت ہیں۔

معلوم ہوا کہ جماعت سواد اعظم غزا۔ سنت پر چلنے چلانے والوں کے مختلف نام میں البتہ عامہ اور عام سے رابطہ رکھنے کا لفظ اخلاقی اصلاح اور گوشہ نشینی سے روکنے کے لئے آیا ہے احکام اور مسائل میں اتباع کے لئے کہیں نہیں آیا
انصاف کی بات تو یہ ہے کہ جماعت سواد اعظم اور غزوہ کی اس حدیث یا سہوہ العلماء عامۃ العلماء کے الفاظ تھے بلند ہیں کہ اس زمانہ کا کوئی فرد یا کوئی جماعت ان کی اہمیت نہیں رکھتی ہاں عالم اسلام کے تمام علماء دین یا عظیم اکثریت کا اگر کسی مسئلہ پر اتفاق ہو جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ جماعت مسلمین یا سواد اعظم کا فیصلہ ہے بریلوی حضرات کے لئے سواد اعظم کا خطاب ”بریکس نہند نام رنگی کا فور“ کی مثال ہے۔ ہاں سواد کے لغوی معنی تاریکی اور اندھیرے کے ہیں اور حضرت امام مجدد نے جابجا بدعت کو اندھیری رات فرمایا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے بریلوی حضرات ٹھیک ٹھیک سواد اعظم ہیں۔

کہ از مغرد و صد غر فکر انسا۔ نے نئے آید۔

سوال: حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اچھی سنت جاری کرے گا اس کو اس کا

ثواب ملے گا اور اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب بھی ملے گا۔ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو سنت جاری کرنے کا حق دے دیا گیا ہے۔

جواب: سنت ایجاد کرنے کا حق اگر دے دیا گیا ہے تو اس کو بدعت حسنہ کی بجائے سنت حسنہ کیوں نہیں کہتے بات تو صرف اتنی تھی کہ قبیلہ مضر کے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی عزت اور افلاس دیکھ کر بنی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر تکلیف کے آثار نظر آنے لگے آپ نے لوگوں کو جمع کر کے صدقہ کی پرزور ترغیب دی تو انصار میں سے ایک بزرگ اٹھ کر تقدی کی اتنی برسی تھیلی اٹھا کر لائے جس کو اٹھانا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ ان کا ایثار اور ہمت دیکھ کر سب لوگوں کے حوصلے بڑھے۔ سب نے ہمت کی تو یکایک نقد می اناج اور کپڑوں کے دو ڈھیر لگ گئے بنی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور خوشی سے چمکنے لگا تو فرمایا جو شخص اچھی سنت جاری کرتا ہے یعنی لوگوں کے سامنے نیکی کا نمونہ بناتا ہے اور نیکی پر لوگوں کے حوصلے بڑھاتا ہے اس کو اس کے عمل کا ثواب بھی ملے گا اور دوسروں کے عمل کا ثواب بھی اور جو شخص بری سنت جاری کرتا ہے اس پر ایسا اور دوسروں کا وبال ہوگا۔

غور کرنے کی بات ہے کہ اس صحابی نے کون سا نیا مسئلہ دین میں ایجاد کیا تھا بس اتنی بات ہی ہے کہ اس بزرگ نے صدقہ خیرات پر سبقت اور پہل کی۔ یہ سنت بنانا نہیں ہے سنت رسول کا اجرا ہے بلکہ حکم کی تعمیل میں نمونہ بن کر آگے بڑھنا ہے صدقہ خیرات تو دین کا ابدی اصول ہے۔

دوسری طرف دیکھتے کہ سنت کے مقابلہ میں بدعت کا آجانا ہی مردودیت اور برائی کے لئے کافی تھا لیکن ائمہ ارباب کے لئے بدعت کے ساتھ گمراہی کا لفظ بھی شامل کر کے فرمایا اور جو شخص برا طریقہ جاری کرتا ہے کہیں فرمایا جو شخص

مگر اہی کی بدعت جاری کرتا ہے اس پر اپنا اور پیچھے چلنے والوں کا بوجھ بھی ہوگا جیسے قایل پر۔

معلوم ہوا کہ سنت اب بننے والی چیز نہیں ہے۔ لیکن بدعت کو نت نئی زندگی نصیب ہو رہی ہے۔ چنانچہ جس قدر بڑھے گی بدعت بھی ساتھ ساتھ بڑھے گی۔ صفحہ ۴ پر مولانا محمد عبداللہ صاحب نے بدعت کا شجرہ نسب خلافت راشدہ سے بنا لیا ہے فرماتے ہیں قرآن مجید کو جمع کرنے کا کام جو سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں ہوا اسی بنا پر ہوا کہ ممانعت کی کوئی دلیل نہ تھی اور جو کام منع نہ ہو تو وہ جائز مستحب اور کابخیر ہوتا ہے چنانچہ اسی بنا پر فاروق اعظمؓ نے فرمایا خدا کی قسم یہ کام اچھا ہے اور حضرت زید کو دونوں نے فرمایا خدا کی قسم یہ کام اچھا ہے پھر فرماتے ہیں معلوم ہوا جس کام کو سرکار نے منع نہ فرمایا ہو اور وہ کام خیر ہو تو وہ امر بدعت نہیں بلکہ مستحب مستحسن اور کابخیر ہے۔ انتہی

اس عبارت میں چند باتیں قابل اعتراض ہیں مثلاً خلافت راشدہ کے دور میں جس کام کو باجماع صحابہ دین سمجھا گیا وہ بلا شک و شبہ دین ہے سنت صحابہ ہے۔ علیکم سنتی و سنتہ الخلفاء الراشدین المہدیین۔ اس پر شہادت ہے۔ ما انا علیہ و اصحابی۔ اس کا ثبوت ہے لفظ جماعت کے اولین مصداق یہی بزرگ ہیں ید اللہ علی الجماعۃ۔ ان کی نشان ہے۔

یہ تو یہ ہیں ان کے شاگرد تابعین اور تبع تابعین میں سے سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین کے استنباط بھی سنت کا حکم رکھتے ہیں۔

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت کے ساتھ ان کی سنت کا ذکر اس لئے فرمایا کہ آپ کو معلوم

تھا۔ آپ کے صحابہ سنت کو واضح کرنے میں غلطی نہیں کریں گے اگرچہ بعض متنبیسی
 ہیں جو صحابہ کے زمانہ میں ہی مشہور ہوئیں پہلے موجود تھیں مشہور نہ تھیں
 اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرات خلفاء راشدین اپنے پاس سے کوئی چیز نہ
 لاتے تھے صرف غیر مشہور سنتوں کو ظاہر فرما دیتے تھے ۲۲۱

حضرت شیخ دہلوی نے بھی لمعات میں یہی ارشاد فرمایا ہے۔
 آپ کی بعض متنبیسی آپ کے زمانہ میں مشہور نہ ہوتی تھیں۔ اگرچہ بعض
 صحابہ نے سیکھ لی تھیں پھر وہ خلفاء راشدین کے عہد میں مشہور ہو جاتی
 ہیں تو ان کی طرف منسوب کر دی جاتی ہیں چونکہ یہ بھی امکان تھا کہ کوئی
 شخص ان کی سنت سمجھ کر نہ مانا اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ
 ان کی سنت پر چلنا بھی ضروری ہے اور وہ بھی صاحبان سنت ہیں۔

(لمعات ۲۲۵)

مسئلہ کی زیادہ وضاحت بحر میں ملتی ہے۔

امام ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے تراویح اور سیدنا عمرؓ کے اس
 کارنامہ کے متعلق پوچھا تو حضرت امام اعظمؒ نے فرمایا سیدنا عمرؓ تراویح
 کے متعلق کوئی بدعت پیدا کرنے والے نہ تھے آپ نے کسی قاعدہ
 اور اصل یعنی اصول کے مطابق لوگوں کو اس کا حکم دیا اور ان کے
 پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی یادداشت موجود تھی... اور
 شرح منیۃ المصلیٰ میں ہے کہ بہت سے لوگوں نے تراویح کی سنت
 پر اجماع نقل کیا ہے کیونکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جاری
 فرمایا اور صحابہ کو توجہ دلائی پھر بعض راتوں میں اسے خود قائم فرمایا
 دلیلی اجماعت ادا فرمائی پھر اس خوف سے کہ امت پر فرط

نہ ہو جاتے چھوڑ دیا اس لئے تراویح سنت رسول ہے وحرالانۃ ۶۶
اسی طرح آپ کا ارشاد ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علماء محدثین جب کسی موقع پر بولتے ہیں کہ یہ ابو بکر و عمرؓ
کی سنت ہے تو ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت
جاریہ ہے جو منسوخ نہیں ہوئی کیونکہ خلافت راشدہ تک کسی عمل کا جاری رہنا
اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ عمل آپ نے سنت قائم کرنے کے لئے کیا تھا
اگر کوئی عمل آپ کے مبارک زمانہ میں کسی وقت جاری ہوا پھر متروک ہو گیا جیسا
کہ ذکر جہر فرض نمازوں کے بعد آپ کے زمانہ میں کسی وقت ہوا پھر خلافت
راشدہ میں اس کا نام نشان نہیں ہے اور جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ
کی روایت خود بتا رہی ہے کہ تھا اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ صحابہ کو تعلیم
دینے کے لئے چند روز کچھ وقت یہ کام ہوا جب تعلیم ہو چکی تو آہستہ ذکر کرنے
لگے خلاصہ یہ کہ ابو بکر و عمرؓ کی سنت ہی وہ سنت ہے جو سنت رسول کو ثابت
کرتی ہے پھر ان کے دور میں جو کام ہوتے ہیں ان کو سنت نہ سمجھنا کتنی غلط
بات ہے۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ صحابہ کو قرآن مجید جمع کرنے
کی ممانعت جو نہ تھی اس لئے انہوں نے اپنی پسند سے کارخیر سمجھ کر یہ کام کیا
اس لئے ان کا کام مستحب قسم کا تھا اور ہمارا ذکر جہر بھی مستحب ہے۔

لیکن علماء دین کی تحقیق یہ ہے کہ حضرات صحابہ دین کے ایمن تھے قرآن کو
جمع کرنا ان پر فرض عین تھا۔ کیونکہ قرآن مجید کی تبلیغ فرض عین ہے قرآن مجید
کے نزول کے وقت مختلف قبائل کو آسانی کے لئے ان کے لب و لہجہ میں
پرچھنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ جناب کی دفات تشریف کے بعد انہوں نے محسوس
کیا کہ آنے والے دور میں الفاظ یا لہجہ کا معمولی فرق معنی میں زیادہ اختلاف پیدا

کودے گا اس لئے انہوں نے قرآن مجید کی تمام سورتوں کو جو پہلے سے مکمل تھیں
ایسی ترتیب کے ساتھ جس کو قرآنہ نبوی کے اشاروں سے سمجھ چکے تھے قریش
کی لغت پر جمع کر دیا یہی قرآن مجید سیدنا عثمان کی خلافت میں بالاتفاق تمام دنیا
میں شائع کر دیا گیا تاکہ آئندہ دین کے مرکزی نکتہ میں اختلاف پیدا نہ ہو اور عجمی اقوام
کسی قسم کے شک میں مبتلا نہ ہوں۔ قرآن مجید ہر قسم کی لفظی معنوی تحریفات
سے محفوظ رہے بھائی مسلمانو یہ کتنا ضروری کام تھا امت کی شیرازہ بندی
تبلیغ قرآن تحریف سے بچانا کس قدر اہم فریضہ تھا لیکن افسوس کہ بریلوی حضرت
جب بدعت کے لئے دلیل لاتے ہیں تو یہ کہ سیدنا عمرؓ نے تراویح ایجاد کی
اور خلافت راشدہ میں قرآن جمع ہوا یہ دونوں کام مستحب تھے اس لئے ذکر ہوا

گیا ربویں وغیرہ سب مستحب ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے حضرات شیخین جب سی کام
کو خیر فرمادیں اور آپ بھی کسی اپنے پسند کے کام کو کہ دیں تو دونوں کا درجہ ایک
ہی ہوگا یا نہیں اتنی بلند مسند پر بیٹھنے کا دعویٰ ہمیں زیب تو نہیں دیتا۔ آگے
آپ کی مرضی۔

دوسری بات یہ ہے کہ جس کام کی دین میں مخالفت نہ ہو اور وہ کام خیر ہو تو وہ
مستحب ہوتا ہے یہ قاعدہ آپ کا اگر درست ہے تو پانچویں صدی کے اواخر میں
جو صلوة الرغائب نقلی نماز جاہل ملاؤں اور قہمہ خوان واعظوں نے جاری کی تھی اور تمام
اسلامی ممالک میں رجب کے پہلے جمعہ کی رات کو بڑے اہتمام بڑے ذوق شوق
اور جہوم کے ساتھ پڑھی جاتی تھی پھر تمام دنیا کے علماء نے اس کی مخالفت کی اور
آج دنیا میں اس کا نام نشان بھی نہیں ہے اس کے متعلق کیا خیال ہے کہ نماز تھی
اللہ کی عبادت تھی قرآن وحدیث میں اس کی ممانعت بھی کہیں نہ تھی پھر تمام دنیا کے
علماء نے اسے کیوں بدعت قرار دیا اور نوافل کی جماعت کے لئے لوگوں کو بلانا کیوں

منع کیا گیا۔ یہ بھی تو کارخیر ہے۔ اودھی رات کو نوافل کی جماعت کے لئے اگر کوئی شخص مسجد میں آکر اذان کہہ دے کہ نفلوں کی جماعت تیار ہے تو اس میں کیا حرج ہے۔ کام تو سارا نیک معلوم ہوتا ہے نوافل بھی نیکی ہے جماعت بھی نیکی ہے اور اذان سے تو شیطان دور ہوتا ہے کیا حرج ہے اتنے کارخیر جمع ہیں مستحب تو ضرور ہو گا کیا خیال ہے اور قیصری بات اس عبارت میں یہ ہے کہ مستحب کی تعریف میں آپ نے فرمایا ہے کام نیک ہو اور اس کی ممانعت بھی شریعت میں نہ ہو تو وہ مستحب ہو جاتا ہے بتایا ہے کیا شریعت نیک کاموں سے روکتی بھی ہے عین تو نیکی کو جاری کرنے کے لئے آیا ہے۔ نیکیوں سے منع کرنا تو شیطان کا کام ہے دین کے متعلق اتنی بڑی کینکریوں سے روکا ہے مناسب نہیں ہے ہم نے تو ہی پڑھا ہے کہ دین حقیقی نیکیوں سے کبھی نہیں روکتا۔

يَا مُرْهُشْهُ بِالْمَعْرُوفِ -

سارے رسالہ کو مقرر صفحہ کی وہ روایت ہے :

عبد اللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا جب لوگ فرض نماز سے فارغ ہو جائیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا اسی بلند آواز کو سن کر میں سمجھ لیتا کہ نماز ختم ہو گئی۔ (بخاری شریف)

ذکر جہر کی اس روایت کو بریلوی حضرات بلند آواز سے صلوٰۃ و سلام کے لئے بھی جلسوں جلسوں میں نعرہ بازی کے لئے بھی فرض نمازوں کے بعد ذکر جہر کے لئے اذان سے پہلے باواز بلند درود شریف پڑھنے کے لئے بھی پیش کرتے ہیں الغرض اوڑھنا بچھونا یہی ہے اس لئے مسئلہ وضاحت طلب ہے اس کو چند حصوں پر تقسیم کیا جاتا ہے ذکر اور دعا میں فرق ۲۔ درود و سلام ذکر الہی ہے یا دعا ۳۔ اذان سے پہلے باواز بلند درود و سلام پڑھنا کیا عمل ہے۔ ۴۔ کیا صحابہ اور تابعین وغیرہ کے دور میں آواز ملا کر ذکر یا درود و سلام پڑھنا ثابت ہے۔ ۵۔ بلند آواز کے ساتھ ذکر امت کی تعلیم کے

تھے تھا یا سنت قائم کرنے کے لئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بلند آواز کیے درود شریف پڑھنے والوں کو مسجد سے کیوں نکالا اور غازی بن جانے کی بیٹ یگوئی کیوں فرمائی۔
 ۱۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر قرآن مجید کی تلاوت اس کی حمد و ثنا اور صفات کا ذکر ہے جو آپ کی نیت سے ہو۔ دعا کا مطلب ہے اللہ سے کچھ مانگنا۔ اپنے لئے یا بزرگوں کے لئے بخشش مانگنا یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خصوصی رحمت اور سلامتی خیر و برکت مانگنا جس کو دین میں صلوة و سلام کہا جاتا ہے۔ گویا کہ درود اور سلام پڑھنے والا اللہ کی جناب آپ کے لئے رحمت اور سلامتی کی دعا کرتا ہے اور اللہ علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کا مطلب یہ ہوگا کہ میں اللہ تعالیٰ سے سلامتی مانگتا ہوں آپ کے حق میں اسے نبی اور اس کی رحمت اور برکتیں یہ ہمارا ہی طرف سے اللہ کی جانب میں دعا ہوتی ہے اس کو قبول کرنا اللہ کا کام ہے۔

۲۔ مجرب درود و سلام بھی دعا ہے تو دعا کے احکام میں آئے گا اگر ذکر کرتا تو ذکر کے احکام میں آتا۔ ذکر کا حکم یہ ہے آہستہ افضل ہے اور کسی قدر بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے اس مسئلہ کو مولانا محمد عبداللہ صاحب نے بھی رسالہ کے ص ۱۱ پر لکھا ہے پھر فقہاء نے لکھا ہے کہ افضل کو چھوڑ کر غیر افضل پر عمل کرنا بہتری کے خلاف ہے (مان تو گئے ہیں کہ ہمارا عمل بہتر نہیں ہے) لیکن دعا کا حکم یہ ہے کہ بلند آواز سے دعا مانگنا منع ہے اس لئے درود شریف اور سلام شریف بھی چونکہ دعا ہے اس لئے بلند آواز سے منع ہوگا اعلیٰ حضرت بریلوی اپنے رسالہ احسن الوعای آداب الدعاء میں فرماتے ہیں۔

بے شک درود و سلام صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دعا ہے۔ بیرومایا

درود بھی دعا ہے ص ۸۳

جب ثابت ہو گیا کہ دعا ہے تو دعا کے متعلق قرآن مجید اور فقہ حنفی کا صرف ایک ایک حوالہ عرض کیا جاتا ہے۔

أَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ پارہ ۸ رکوع ۱۴۔
ترجمہ: اپنے رب سے دعا کرو آہستہ اور گڑگڑاتے بے شک حد بڑھنے والے لئے پسند نہیں ہیں۔

حد سے بڑھنے والے کون ہیں یہ بات بھی اعلیٰ حضرت کے قرآن مجید پر جو حاشیہ ان کے جانشین اور ثانی تینین نے لکھا ہے وہ بتائے گا فرماتے ہیں۔
حد سے بڑھنا کئی طرح سے ہوتا ہے ایک یہ کہ بلند آواز سے چیخے۔

(ملاحظہ ہو حاشیہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی بر ترجمہ اعلیٰ حضرت)
اب یہ بات قرآن مجید سے ثابت ہو گئی کہ درود شریف بھی دعا ہے اور لاؤڈ سپیکر پر پڑھنا چیخنا ہے یہی حد توڑنا ہے یہی اللہ کو ناپسند ہے سادہ لفظوں میں یہ مردہ شور غوغا اللہ کو ناپسند ہے۔

فقہ حنفی کی معتبر کتاب در مختار کی وضاحت بھی قابل دیدہ ہے فرماتے ہیں۔
وَأَزْعَاجُ الْأَعْصَاءِ بِدَفْعِ الصَّوْتِ جَهْلٌ وَإِنَّمَا هِيَ دَعَاءٌ وَالنَّعَاءُ
يَكُونُ بَيْنَ الْجَهْرِ وَالْمَخْفَى - (در مختار ج ۱ ص ۲۹۹)
ترجمہ: درود و سلام پڑھتے وقت آواز بلند کے ساتھ اعصاب بدن کو حرکت دینا بڑی جہالت ہے کیونکہ یہ تو دعا ہے اور دعا ہوتی ہے بلند اور نہایت آہستہ آواز کے درمیان درمیان۔

بلند آواز کے ساتھ بدن کی حرکت اس زمانہ کے نعت خواں کی پوری تصویر ہے اور اس پر جو سرٹفیکٹ مل رہا ہے وہ قابلِ داد ہے کیونکہ جھل کی تئیں تعظیم کے لئے ہے یعنی جھل "عظیم" عظیم جہالت، یاد رہے کہ یہ بڑی جہالت کا ثمنہ ان حضرات کو اس بزرگ

نے دیا ہے جس کو مولانا محمد طہطاثر صاحب نے رسالہ کے صفحہ پرتیسہ اعظم صاحب
 در مختار لکھا ہے۔ بڑی جہالت یہ ہوتی ہے کہ کوئی آدمی نہ جانتا ہو اور یہ بھی نہ جانتا ہو کہ
 میں نہیں جانتا ہوں کیونکہ بے چارے جاہل لوگ دود و سلام کے آداب کو نہیں جانتے
 ۳۔ ذکر تہر کے جواز کی ایک شاخ اذان سے پہلے باذان بلند دود و سلام بھی ہے۔
 یہ شاخ مشکل سے ۲۰ یا ۲۵ سال سے پھوٹی ہے۔ پھوٹی کہنے کی بجائے یوں کہو کہ
 پیوند لگایا گیا ہے مولانا محمد عبد اللہ صاحب اس مسئلہ کو بھی ذکر تہر میں کیسج لائے
 ہیں گو یہ ثابت ہو چکا ہے کہ دود و سلام ذکر نہیں دعا ہے اور دعا بلند آواز سے لگنا
 اللہ کی حدوں کو توڑنا ہے جو دلائل اس موقع پر لائے ہیں وہ سبھی ان کے خلاف
 جاتے ہیں کیونکہ دو عبارتیں لکھی ہیں دونوں ایک واقعہ سے تعلق رکھتی ہیں ۳۔
 کی عبارت کے ترجمہ میں ایک نہایت واضح غلطی کی ہے اور تعجب ہے کہ مذہبانی
 کے سبقت سے جو لوگ غروم ہیں وہ رسالہ لکھنے کا شوق کیوں فرماتے ہیں اور خیر ہو کہ
 کی عبارت در مختار کا ترجمہ بالکل نہیں کیا اور نہ کسی لطائف حاصل ہو جاتے فیہ و دونوں کا
 ایک ہی واقعہ ہے جس میں تسلیم بعد الاذان کا ذکر ہے جو تہویب کے لئے ہے
 تہویب کے معنی کپڑا دکھانا بھی ہے اور دوبارہ اعلان بھی ہے۔ اچھی جگہ چڑھ کر کپڑا دکھانا
 بھی اعلان کی ایک قسم تھی اس زمانہ میں چونکہ گھریاں نہیں تھیں جماعت کا نظام یہ تھا
 کہ جب کچھ نمازی جمع ہو جاتے تو جماعت تیار ہونے کا اعلان کسی مقررہ لفظ کے
 ساتھ جو بھی کسی مستی والے مقرر کر لیتے ہو جاتا تھا مثلاً نماز نماز نماز یا وغیرہ حقی
 فرب میں عوام کی سستی اور بے پرواہی کے پیش نظر اس بات کی اجازت ہے
 اس کو تہویب یا نکیر کہتے ہیں یعنی یاد دہانی بیدار اذان اور قیامت کے عین درمیان میں
 ہوتی ہے اذان کے بعد منقل ہو پھر بھی بے فائدہ ہے مختلف شہروں میں یاد دہانی
 کے الفاظ مختلف تھے سلطان صلاح الدین الہوی نے آٹھویں صدی میں فاطمہ مہر

کی بدعت کی جگہ تدکیر اور یاد دہانی کے لئے السلام علی رسول اللہ تجویز کر دیا وہ بھی اذان کے بعد۔

آج بھی اگر کوئی شخص اذان اور تکبیر یعنی اقامت کے عین درمیان یاد دہانی کے لئے صلوٰۃ و سلام کا لفظ بولے تو اجازت ہے لیکن اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام پڑھنا کس بات کی یاد دہانی ہے یہ اجازت بھی ہمارے امام صاحب نے لوگوں کی سستی غفلت اور بے پرواہی کی وجہ سے دی ہے ورنہ بعض صحابہؓ اس کو ناپسند کیا ہے بحر میں ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا عبداللہ ابن عمرؓ دونوں نے کسی شخص کو مسجد میں تہنوت کرنے دیکھا تو فرمایا اس بدعتی کو ہماری مسجد سے نکال دو بحر الرائق ص ۲۶۱ بدعتی کا لفظ تاہن تجویز حضرت امام مالک بھی یاد دہانی کو ناپسند فرماتے تھے۔

حضرت امام مالک امام مدینہ کے زمانہ میں ایک مؤذن نے یاد دہانی کا کوئی کلمہ کہہ دیا تو حضرت امام نے پیغام بھیج کر اسے بلایا اور فرمایا یہ کیا کرتے ہو اس نے عرض کیا یہ اس لئے کرتا ہوں کہ لوگوں کو صبح ہونے کا یقین ہو جائے دینی تہجد اور سحری کی اذان نہ سمجھیں فرمایا ایسا مت کرو ہمارے اس شہر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال قیام فرمایا ہے پھر ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کا دور خلافت بھی ہمیں گزرنا جو کام انہوں نے نہیں کیا وہ نعم نہ کرو ہمارے اس شہر میں جو بات نہ تھی وہ امت کو بدعت بدعت سن کر مؤذن نے تہنوت چھوڑ دی کچھ دیر تو خاموش رہا ایک دن وہ مینار پر کھانسنے لگا حضرت امام مالک نے اسے پیغام بھیجا کیا کرتے ہو اس نے جواب دیا میں یہ چاہتا تھا کہ لوگوں کو صبح ہونے کی پوری اطلاع ہو جائے فرمایا کیا میں نے تم کو منع نہ کیا تھا کہ ہمارے اس مقدس شہر میں کوئی نئی بات (بدعت) نہ پیدا کرو کیونکہ ارادہ کھانا بھی حضرت امام بدعت سمجھتے

تھے اس لئے کہا آپ نے توجہ کو ترویج یعنی یاد دہانی کے کلمات سے منع کیا تھا فرمایا کچھ نہ کرو پھر کچھ دنوں کے بعد لوگوں کے دروازوں پر دستک دینے لگا پھر ملا کر فرمایا یہ کیا کرنے لگے ہو کہا حضرت لوگوں کو نماز کیلئے جگہ بنا کر فرمایا کچھ بھی نہ کرو۔ (کتاب الاعتصام امام شافعی اندلسی ص ۵۹)

حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ پھر حضرت امام مالکؒ کے اس رویہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ بزرگان، دین کو بالکل اصلی ساوگی پر دیکھنا پسند فرماتے تھے۔ ہمارے امام صاحب نے جب دیکھا کہ نماز سے غفلت ہونے لگی ہے تو بقاء استحسان جس کا حق صرف اجتہاد والوں کو حاصل ہے ترویج کی اجازت دے دیا جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ درختار نے یہ آٹھویں صدی کا قصہ ترویج کے بیان میں لکھا ہے اور اسی بنا پر اسے بدعت حسنہ کہا ہے کہ مجتہدین امت سے اس کی اجازت آ رہی ہے یہ سنت کا حکم رکھتی ہے یہ تو یاد دہانی ہے لیکن مسئلہ اگر معلوم کرنا ہو تو حضرت لاعلی قاری علیہ رحمت الباری کے پاس چلنا چاہئے فرماتے ہیں۔

فما يفعله المؤذنون اليوم عقب الاذان من الاعلان بالصلاة والسلام مداراً اصله سنة واكيفية بدعة الخ

ترجمہ: ہمارے زمانہ میں مؤذن حضرات خوافان کے بعد بلند آواز سے معلوۃ و سلام پڑھنے لگے ہیں یہ اصل میں تو سنت تھا کہ کو کر اذان کے بعد سننے والوں کو حکم ہے درود شریف پڑھ کر وسیلہ کی دعا مانگیں اور موجود بلند آواز کی کیفیت بدعت ہے کیونکہ مسجد میں بلند آواز اگرچہ ذکر الہی کے لئے ہو مگر وہ ہے بالخصوص مسجد الحرام میں کیونکہ طواف کرنے والوں نماز پڑھنے والوں، انگشت کرنے والوں کی کیسوتی میں خلل آتا ہے مرقاة ص ۱۲۱

حضرت ملا علی قاری نے اذان کے بعد پڑھا جانے والا صلوة وسلام کو بھی بدعت اور مکروہ فرمایا اور پہلے پڑھا جانے کا تو نام نشان کہیں نہیں ہے۔ درمختار نے باب الخطر والا باختہ میں لکھا ہے کہ بدعت اور مکروہ دونوں لفظ حرام کے قریب تر ہیں۔

حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد سے باہر ایک کھلا میدان یا تھڑا اس لئے بنا چھوڑا تھا کہ جو شخص غیر ضروری کلام کرنا چاہے یا عامیانہ اشعار پڑھنا چاہے یا آواز بلند کرنا چاہے تو وہ مسجد سے

نکل کر اس میدان میں چلا جائے۔ (مشکوٰۃ شریف باب المساجد)

حضرت ملا علی قاری نے یہاں لکھا ہے کہ بلند آواز اگرچہ ذکر کے لئے ہو۔

۴۔ خیر القرون میں پہلے بزرگوں کے دور میں ایک آواز کے ساتھ پڑھنا کہیں ثابت نہیں ہے۔ عوام الناس کو مارا لطف اسی میں آتا ہے حدیث شریف میں۔

من ذکر فی ملاء اور لا یفعد قوم لا یناکون اللہ الا الخ

ایسی دیگر احادیث میں بھی مل کر ذکر کرنے کا جہاں بھی ذکر ہے اس کا مطلب علمائے یہاں ہے کہ ایک جگہ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کرتے، علمی مسائل کا ذکر اور تقبرہ ہوتا علمی تحقیق اور اجتہادی مسائل پر غور و فکر ہوتا ایک دوسرے کو اطاعت الہی اور اتباع سنت کا طریقہ بتاتے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی محفلوں میں بیٹھ کر ارشاد فرماتے یا صحابہ تابعین کی محفلوں میں علم کا نور پھیلاتے تھے یہی علم و ذکر کی مجلسیں اور حلقے ہوتے تھے جن میں قرآن مجید پڑھا جانا تو اس طرح کہ ایک پڑھتا باقی سب فاعوشی سے سننے اور سیکھتے تھے جیسا کہ قنادی عالمگیری میں ہے۔

وقد کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذابجتماعا

امر واحد ھم ان یقرء سورۃ من القرآن - حدیث ۱۹۱ باب الکلیۃ

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جب ایک جگہ جمع ہوتے تو کسی ایک

کو قرآن کی کوئی سورۃ پڑھنے کے لئے کہتے باقی سب خاموش بیٹھ کر سنتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے۔

ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یتلون کتاب اللہ و یتدارسونہ بینہم الا الخ۔

ترجمہ: جب کچھ لوگ اللہ کی مسجد میں کتاب الہی کی تلاوت کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے درس لیتے ہیں تو ان پر نیکیاں نازل ہوتی ہے رحمت الہی ان کو ڈھانک لیتی ہے اور فرشتے ان پر گھیرا ڈال لیتے ہیں اللہ تعالیٰ فرشتوں کی محفلوں میں ان کا ذکر فرماتے ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف)

اجتماعی ذکر اور ذکر کے حلقے یہی ہوتے تھے۔ بچوں کی مہارتی کا طریقہ جو آج کل مسجدوں میں مروج ہے یہ جہاں کہیں صحابہ نے دیکھا سخت ناپسند فرمایا جیسا کہ دارمی شریف کی روایت میں آپ دیکھ لیں گے۔ علم و ذکر کا یہ سنت طریقہ دین سیکھنے سکھانے میں بہت مفید تھا۔ آج بھی جو لوگ علم و ذکر کی مجلسیں قائم کرتے ہیں ان کو اقامت دین کا شور پیدا ہوتا ہے اور جو لوگ شور مچا رہے اور راگ کو دین سمجھتے ہیں ان کو کلمہ طیبہ بھی ٹھیک پڑنا نہیں آتا۔ وضو کا صحیح طریقہ اور طہارت تک نہیں جانتے۔

یہی وہ جہالت ہے جس کا بیان در مختار سے گزر چکا ہے۔

۵۔ بلند آواز کے ساتھ ذکر کسی کلمہ کی تعلیم کے لئے ہوتا تھا جب تعلیم ہو چکی تو ختم ہو جاتا تھا۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو بلند آواز کے ساتھ لا الہ الا اللہ وحدا لا شریک لہ آخر تک پڑھتے۔

اس حدیث کی شرح میں حضرت شیخ نے فرمایا ہے۔

یہ بلند آواز امت کی تعلیم کے لئے تھی ورنہ افضل ذرا آہستہ ذکر کرتا ہے۔

(لمعات ص ۲۲)

امام حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری حضرت عبداللہ بن عباس کی اس روایت سے جواز کا اشارہ نکالنے کے بعد فرماتے ہیں۔

محدث ابن ابی بطلان نے فرمایا ہے کہ سلف صالحین میں سے کوئی شخص بھی میرے علم میں نہیں ہے جس نے اس روایت پر عمل کیا ہو یا صرف وہ بات جو ابن حبیب نے الواضح میں لکھی ہے کہ صبح اور عشاء کی نماز کے بعد سرحدی چوکیوں پر اسلامی افواج تین بار اللہ اکبر یا دُعا بلند کرتی تھیں۔ بغیر وہی صورت ہے سرحد اسلام پر کفار پر رعب ڈالنے کے لئے اور عقیقہ بن حضرت امام مالک سے روایت ہے کہ یہ بدعت نسبتاً اور عبداللہ بن عباس کی یہ روایت خود بخاری ہے کہ جب انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا اس وقت اس پر عمل نہیں تھا ورنہ یہ فرمانے کے آپ کے زمانہ سے چلا آ رہا یہ نہ فرمانے کے تھا۔

امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں فرمایا ہے کہ حضرت امام شافعی نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے یعنی صحابہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بالکل ٹھوڑا وقت ذکر کا طریقہ سیکھنے اور سکھانے کے لیے بلند آواز سے پڑھتے نہ کہ ہمیشہ کے لئے۔ (فتح الباری ص ۴۶۹)

حافظ الحدیث امام بدرالدین بیہقی حنفی شارح بخاری فرماتے ہیں۔

تھا کہ لفظ ہی اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ جس وقت یہ روایت بیان ہوئی اس وقت رواج متروک ہو چکا تھا۔ (پھر فرماتے ہیں)

اہل سنت کے چاروں امام اور ان کے علاوہ جتنے بھی مجتہدین گزرے ہیں ابن حزم ظاہری کے سوا سبھی اس بات پر متفق ہیں کہ نماز کے بعد ذکر کبیر

مستحب نہیں ہے۔ (یعنی شرح بخاری ص ۱۳۶)

بات ختم ہوتی ہے اہل مفت کے چاروں غرائب حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اور اس کے علاوہ غلبہ کے زمانہ کے تمام مجتہدین نے بریلوی مسئلہ کو دین سے نکال دیا ہاں ایک ابن حزم ظاہری نقطہ ان کے حصہ میں آتے ہیں واضح ہو کہ ابن حزم ظاہری وہ جو کہ جو یہ مجتہدین نے بھی دو قدم آگے ہیں وہ تمام لہو و لعل کو ظاہر حنفی پر عمل کرتے ہیں۔ سلا لا شتم انما عزمک مطلب ان کے ہاں یہ ہے کہ کسی عورت کے ہاتھ سے مرد کا ہاتھ اتفاقاً لگ جائے تو دونوں کا وضو ٹوٹ جاتا ہے علمی دنیا میں کوئی بھی مولانا محمد عبداللہ صاحب کو پناہ دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔

بھلا جو آپ کا لے ابن حزم ہم تو سنی حنفی ہونے کے دعویدار تھے بلکہ ٹھیکیدار تھے۔ سواد اعظم کی سند بھی ہم نے تیار کر لی تھی اور پکا نشان سنی حنفی کا یہی تھا کہ فرض نمازوں کے بعد ذکر جہر وغیرہ لیکن جب مسئلہ کی تحقیق اور تفتیح کا وقت آیا تو نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جہاں ملی تو کہاں ملی میرے اجتہاد و اذکار کویری کا ظاہری کی جہاں میں

مولوی محمد عمر صاحب اچھوٹی نے تو مقیاس حقیقت میں یہاں تک لکھ دیا ہے کہ وہ ذکر کیا تھا ظاہر ہے کہ وہ درود شریف ہی ہوگا (اس سے زیادہ دیدہ دلیری اور کیا ہوگی) امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

المذاہب الأربعة على عدم استحبابه (الهدایہ والنعمایہ ص ۲۷)

ترجمہ: چاروں اماموں کے مذہب متفق ہیں اس بات پر کہ نماز کے بعد ذکر جہر مستحب نہیں ہے۔

ناظرین حیران ہوں گے کہ فرض نمازوں کے بعد ذکر جہر آپ نے فرمایا پھر صحابہ نے بھی آپ کی پیروی کی جو برکت کیوں نہیں ہے اور مستحب تو کم از کم

ہونا چاہئے لیکن امام ابوحنیفہؒ تو بلند آواز کے ساتھ بے موقع اندب اکبر کہنا
بھی بدعت قرار دیتے ہیں۔ (بحر ۱۴۵)

گو بریلوی حضرات کو دلائل کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ پھر بھی ان کاموں پر اتنی سختی
کیوں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ علم اصول فقہ میں اس بات کی پوری وضاحت موجود
ہے۔ جو عمل سلف صالحین کے زمانہ میں شرعی اور حیثیت سے ہمیشہ یا اکثری طور پر
جاری رہا وہ فعل سنت رسول کہلاتا ہے اور اگر کسی وقت کیا یا فرمایا لیکن سلف کا عمل
داخلی یا اکثری اس کے خلاف رہا تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ کسی وقتی ضرورت کے لئے تھا
وقت گزرنے پر منسوخ ہو گیا یا اس کی ضرورت نہ رہی متروک ہو گیا یا اس کی تعلیم ہو چکی
تو اب اس کو ہمیشہ تعلیمی صورت میں ادا کرنا مقاصد دین کے خلاف ہو گا۔ اب اس کو
تعلیمی شکل میں ادا کرنا خلاف سنت ہو گا نماز کے بعد ذکر جہر کا درجہ ہی ہے۔

بعض حالات میں مساجد اور مساجد سے باہر بھی ذکر جہر کو مستحب کہا گیا ہے لیکن وہ محض
ایک ماضی مسئلہ کی صورت ہے کیونکہ ذکر جہر کے جو فوائد بزرگوں نے تجویز فرمائے ان کیلئے
تنہائی اور خلوت بہت ضروری ہے پھر مساجد میں یہ تنہائی مشکل ہوتی ہے مساجد میں فرض
نمازوں کے اوقات میں تنہائی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دوسرے اوقات میں تلاوت
نوافل مسجد والوں کا حق فاقی ہے۔ اگر مسجد کسی وقت ڈاکرین سے خالی ہو تو متوقیٰ اور اگر
سکتا ہے کوئی شخص گھر میں یا مسجد میں ذکر جہر کر رہا ہو جس کی آواز دوسرے سونے والوں یا
ذکر والوں کو پریشان کرتی ہو تو گنہگار ہو گا کیونکہ لوگوں کو پریشان کرنا دکھ دینا ہے نیز مسلم
قرآن مجید کی سونے والا کوئی نمازی کوئی تلاوت کرنے والا محلوں پر بروقت ضرور
ہوتا ہے یہ بانیدیاں فضول نہیں ہیں مسئلہ کی اصلی روح انہیں تین شرطوں میں ہے اب ذکر جہر
کے لئے ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ کوٹھڑی کا دروازہ بند کر کے اندر ہی اندر اپنا
شوق پورا کرے۔

یاور ہے علامہ شرعی کے فیصلہ سے ہمیں پورا اتفاق ہے لیکن اس فیصلہ میں فرض نماز کا بعد کا تو نام بھی نہیں ہے اس کا ذکر بعد الصلوٰۃ سے کیا تعلق ہے۔ علامہ شرعی کا فتویٰ جو منہ پر مولانا صاحب نے لکھا ہے اس پر عمل کرنا ہی راہ ہدایت ہے کاش کہ یہ لوگ خود بھی اسی فتویٰ کو مان لیں کیونکہ بیماروں اور سوتے ہوئے لوگوں کو جگانا نمازیوں کو ذاکرین کو پریشان کرنا ایک مستحب کی ادائیگی کے لئے مستحب نہ رہے گا۔ حرام ہو جاتے گا۔ مولانا صاحب نے ص ۱۲ پر زیادہ بلند آواز سے ذکر کرنے کی جو خرابیاں خود بیان کر دی ہیں۔ ان سے مسئلہ کافی حل ہو گیا ہے فرماتے ہیں۔

زیادہ بلند آواز سے ذکر کرنے میں کئی خرابیاں ہیں پہلی خرابی ہے سونے والوں کو جگانا دوسری خرابی یہ ہے کہ نماز پڑھنے والوں کی نماز میں بھول واقع ہوگی اور تیسری خرابی یہ ہے کہ نماز پڑھنے والے شور و غوغا میں کرخت و خفوض سے محروم ہو جائیں گے یعنی دل کی توجہ سے نماز محروم ہو جاتے ہیں اور نماز کے لئے جو مناسب کیفیات ہیں وہ بھی ترک ہو جاتی ہیں اس کے علاوہ اور بھی بے شمار بے حساب خرابیاں ہیں جن کی گنتی نہیں ہو سکتی ہے۔ ناظرین خدا کا شکر ہے کہ مولانا صاحب نے خود بخود اس بات کا اقرار کر لیا اور صاف طور پر بات سامنے آگئی کہ ان کا موقف ہمارے قریب ہے صرف اتنی ذرا سی بات پوچھنا باقی ہے کہ آدھی رات کو جب کوئی مجمع صلوٰۃ و سلام پڑھتا اور ان کی آواز میلون تک جاتی ہے تو یہ زیادہ بلند آواز ہے یا نہیں اگر ہے تو وہ ساری بے شمار بے حساب خرابیاں بھی موجود ہیں اور اگر نہیں ہے تو بتائیں اس سے زیادہ بلند آواز کس طرح ہو سکتی ہے۔

بَيِّنْتُمْ ۱ تَوَجَّهُوا ۲

مولانا محمد عبداللہ صاحب نے ص ۳ پر فرمایا ہے اصلی اہانت کا قاعدہ ہمارے لئے کافی ہے۔ اہانت اصلہ کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور

دین نازل ہونے سے پہلے سب چیزیں مباح تھیں پھر دین آیا تو جن چیزوں کے متعلق حرام
 حلال کی وضاحت فرمادی وہ تو حلال حرام ہو گئیں اور جن چیزوں کے متعلق خاموشی اختیار
 فرمائی ان کے متعلق خود صحابہ میں بھی خود و خواص اور محدث جاری رہی بعض کے نزدیک
 وہ پہلی حالت پر ہیں یعنی مباح ہیں بعض کی رستہ میں توقف یعنی ٹھہر جانا، رک جانا بہتر
 ہے۔ نہ استعمال کرنا۔ نہ کوئی فیصلہ دینا۔ انتظار کرنا جب تک وضاحت نہ معلوم ہو سکے تب ہر
 گروہ احتیاط کی بنا پر ان چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے کیونکہ دین نے ان کو حرام نہیں ٹھہرایا۔
 قیاس کی ضرورت بھی نہیں سے پیدا ہوتی۔ خود حضرات صحابہ نے قیاس کی بنیاد رکھی اور لوگوں
 کو اہل علم کی تقلید کی ضرورت بھی اسی وجہ سے محسوس ہوئی۔

الحمد للہ حضرات مجتہدین اور ان کے نامین نے تمام مسائل حل کر دیے ہر دوزین
 پیدا ہونے والے مشکل اور جدید مسائل کو علماء قرآن و حدیث، علم صحابہ اور علماء امامت
 کی ہی روشنی میں حل کرتے چلے آئے ہیں۔ جب سے علماء بریلی کا عوامی غرغلا خلیفہ کا پاس
 علمی تحقیقات میں حصہ لینے کی کاوش ان لوگوں نے نہیں فرمائی۔ وقت کی یہ اہم ضرورت
 ہمارے بزرگوں کے کارناموں کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ علم تفسیر، علم حدیث، علم تصوف، علم ادب
 معانی بیان فقہ حنفی کی روشنی میں حوادث انسانی کی تحقیق غرض معقولات اور منقولات
 میں بے بہا ایسے مثال علمی ذخائر اردو اور عربی میں ان بزرگوں کی یادگار رہتی دنیا تک
 رہے گی بعض مسائل میں علماء حرمین اور ائمہ شافعیہ، مالکیہ سے بھی رابطہ قائم فرمایا ہے
 اس دور کے صحیح معنوں میں فقہاری بزرگان دیوبند ہیں۔ فجزا اھم اللہ دکان
 سَعِیْہُمْ مَشْكُورًا۔ ان کی بے نفسی اور انصاف کی ایک ادنیٰ مثال یہ بھی ہے کہ بریلویوں
 کی اقتدار میں نماز ادا ہونے کا فتویٰ کھلے لفظوں میں دیا ہے۔

دوسری طرف علماء بریلی کو انصاف سے یہ سوجھی کہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسند نبوت
 پر اہانت اظہیر کو لا کر بٹھا دیا۔ مطلب یہ کہ بزرگان دین کی راہنمائی کی ضرورت باقی نہیں

ہے۔ ہمارے لئے اباحتِ اصلیہ کا اختیار کافی ہے اور اباحت کا مطلب یہ کہ سب کچھ مباح ہے سب کچھ جائز ہے جو مسئلہ ہم بنائیں کا خیر ہے مستحب ہے۔ اباحتِ اصلیہ کی تشریح شیطان نے ان کو ایسی راہ بتادی ہے۔ جس سے دین کا حلیہ سارا چند دلوں میں بگڑ سکتا ہے۔ الا ان اباحتِ اصلیہ کا تعلق زمانہ فترت یعنی قبل نبوت سے ہے جبکہ سب مفید چیزیں تھیں اسلام آیا تو اباحتِ شرعیہ کا دستور شروع ہوا جن چیزوں کے استعمال کی اجازت تشریعت نے دی وہ مباح ٹھہریں جن کو حرام کر دیا وہ حرام ٹھہریں جن کے متعلق ارادۂ خاموشی اختیار فرمائی ان کا حکم یہ ہے مصنف منار فرماتے ہیں۔

قال اصحابنا الاصل فيه التوقف۔

ترجمہ: ہمارے اصناف کے نزدیک اصل رک جانا ہے (اعتقاداً و عملاً)۔

پھر مصنف اپنی تعلیقات میں فرماتے ہیں۔

ازبادہ درست بات میرے نزدیک یہی ہے کہ ایسے موقع پر رک جانا اور کچھ نہ کرنا تقویٰ اور پرہیزگاری کی جڑ ہے اور یہی مسلک ہے سینا ابو بکر صدیقؓ کا، سینا عمرؓ خطابؓ کا اور سینا عثمانؓ کا اور ایسے بہت سے صحابہ کا۔

۲۔ یہ بات بھی درست ہے کہ ان افعال میں حرام ہونا اصل سمجھا جاتے یہ مسلک ہے

سینا علیؓ اور تمام اہل بیتؑ کا اور فقہار کوفہ کا جن میں امام ابو حنیفہؒ بھی شامل ہیں۔

۳۔ اور نزدیک مسلک سے یہ کہ اصل اباحت ہے یہ مسلک ہے حضرت امیر معاویہؓ

اور ان کے بیٹے زید کا اور مروان کا۔

تعلیقات منار کی عبارت سے واضح ہوا کہ اصل اباحت نہیں بلکہ توقف ہے۔

صاحب درختار نے باب استیلاؤ الکفار میں اسی توقف کو مذہب منصوص فرمایا ہے۔

لہٰذا ابوصالح رازی نے احکام القرآن میں فرمایا، اباحت صرف کھانے پینے کی چیزوں کے متعلق ہے۔

یعنی دلائل سے تائید یافتہ ہے۔ قتادی ثنائی کے مقابلہ میں بحیثیت متن ترجیح اسی کو ہے
امام ابن نجیم نے بحر الرائق میں تعریفِ سنت کے دوران توقف کی طرف اشارہ فرمایا اور
ہمیں مسئلہ صاف کر دیا فرماتے ہیں:

کیا چیزوں میں اصلِ اباحت ہے جب تک مباح نہ ہونے کی دلیل نہ ملے یہ
فوسلِ امامِ شافعی کا ہے یا اصلِ حرمت ہے جب تک اباحت کی دلیل نہ
ہو شافعی حضرت نے امام ابو حنیفہ کی طرف اس قول کو منسوب کیا اور بدائع
میں ہے کہ چیزوں کے متعلق شریعت کے آنے سے پہلے کچھ حکم نہیں
دیا جاسکتا۔

ملاحیون تفسیر احمدی میں فرماتے ہیں۔

اس آیت سے اباحتِ اصلیہ کی دلیل پکڑا ممکن ہے جیسا کہ ایک چھوٹے سے
گروہ کا خیال ہے لیکن جمہور کے نزدیک اصلِ حرمت ہے اور امام شافعی تو ہر
حال میں حرمت کے قائل ہیں۔

شاید حضرت شیخ عبدالحی محمد دہلوی کا ارشاد فیصلہ کن ہو گا۔ اس لئے عرض ہے

مَدِيْنَةُ فَخْلَهُ اِلَى اللّٰهِ كَسے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

پس یہ سپاراد بخدا توقف کن دلائل و طباب کن رشد و ہدایت و دلائل۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں:

مَا لَمْ يَثْبُتْ مُحْكَمٌ فِي الشَّرْعِ فَلَا تَقُلْ فِيهِ شَيْئًا وَقِفْ عَلَى امْرَأَةٍ

اِلَى اللّٰهِ مِثْلُ مِثْلِ مُتَشَابِهَاتِ الْقُرْآنِ۔

ان تہریجات سے معلوم ہوا کہ جہاں جہاں شریعت نے ارادۂ خاموشی اختیار فرمائی ہے
وہاں اباحتِ اصلیہ کی اوڑھے کردہ بات جاری کرنے کی بجائے کچھ نہ کرنا چاہئے اور دین

کو اپنی حالت پر چھوڑ دینا بہتر ہے کیونکہ عمل کرنے والوں کے لئے سنت کے میدان میں رات دن کی روشنی موجود ہے پھر اندھیری راتوں میں گھسا ظفر سے غالی نہیں فرمایا۔
تذکرتکم علی بیضاء نَفِیَّةٍ لیلہ اکٹھا رہا۔

ترجمہ: میں تم کو ایسی صاف ستھری روشنی سڑک پر چھوڑ کر جا رہا ہوں جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے۔

اصولی بحث کے لئے فقہاء نے اس پر غور فرمایا ورنہ دین میں آج کتنے ہیں جو اجتہاد کی زد سے باہر ہیں۔ ایک سبھی نہیں تو اباحتِ اصلیہ کی ضرورت کیا ہے اور اگر ضرورت ہو تو رخصتِ شرعیہ کا لفظ ہر جگہ کام دیتا ہے اور حروفِ مقطعات نیز متشابہات میں کچھ نہ کہا بہتر ہے تو توقف ہی کام دے گا۔

حق یہ ہے کہ اباحتِ اصلیہ شدید اختلافات کی زد میں ہے اور اگر آپ لوگوں کو اس یزیدی مسلک پر اصرار ہو تو بتائیے فقہاء کرام اور ائمہ دین نے اسے استعمال کرتے ہوئے ذکر اور عبادت کے لئے کون کون سے طریقے ایجاد کئے ہیں۔

بات ختم کرنے سے پہلے رسالہ پر ایک سرسری نظر: چیزوں میں اصل اباحت ہے کی بجائے الاصل فی المسائل الاقتداء۔ سارے دین میں اصل الاصول یہ ہے کہ ہر کام میں سید اوی برحق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرنے اور چھوڑنے میں پیروی کی جائے۔ عبادات میں معاملات میں اخلاق میں ہر کام میں آپ کی رہنمائی اجمالاً یا تحفظاً موجود ہے جدید حوادث میں جو مسائل پیدا ہو جاتے ہیں وہاں اباحت کا اصول کیا کام دے گا علماء محققین اور دانشمندان فی العلم دین کی روشنی میں حل کریں گے اباحتی فرقہ شروع سے آ رہا ہے یہ فلاسفہ کی شاخ ہے اگر اباحت کا اصول عوام کے ہاتھ میں دے دیا جائے تو دین کا حلیہ سارا بگڑ جائے گا۔ خدا کی پناہ دین کی سلامتی اور عافیت اسی میں ہے کہ پیچھے چلنے کی کوشش کی جائے۔ بزرگانِ دین ہمیشہ سے زندہ نبی کی زندہ تعلیم کو اپنا

امام سمجھتے آتے ہیں بہت سی کتابوں میں آیا ہے کہ جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ایک شخص کو دیکھا جو نماز عید سے پہلے نفل پڑھ رہا تھا تو اسے منع فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص مولانا محمد عبداللہ صاحب کا ہم عقیدہ تھا کہنے لگا یا امیر المؤمنین میں نماز پڑھنا ہوں کیا نماز سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ نماز پڑھنے پر اللہ تعالیٰ مجھے عذاب نہیں دیں گے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کیسا اچھا جواب دیا فرمایا:

میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی نیک کام کا ثواب نہیں دیتے جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا نہ ہو یا اس کام کی ترغیب نہ دی ہو۔ اس لئے تیری نماز بے فائدہ ہے اور فضول سے فضول کا کم کرنا حرام ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ اللہ تم کو اس نماز پر عذاب دیں کیونکہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف چل رہے ہو۔ یعنی عید کی نماز سے پہلے نوافل آپ نے نہیں پڑھے تم کیوں پڑھتے ہو بھائی مسلمانو! یہ ایک اہم قاعدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی جس طرح کرنے میں ہے اسی طرح چھوڑنے میں ہے اس شخص نے یہ سمجھا کہ عید کی نماز سے پہلے نوافل کی ممانعت نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ممانعت کی نہایت چھوڑ دینا ہی کافی ہے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک شخص نے چھینکنے کے بعد کہا۔

الحمد للہ والصلوٰۃ علی رسول اللہ

آپ نے فرمایا یہ لفظ تو درست ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو چھینکنے

کے موقع پر یہ نہیں سکھایا بلکہ یہ سکھایا ہے الحمد للہ علی کل حال۔

حضرت شیخ عبدالحقؒ اور اعلیٰ قاری دونوں بزرگ حدیث اِنَّمَا اَلَاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ

کے تحت لکھتے ہیں اتباعِ حبیب کہ فعل میں ہے اسی طرح ترک میں ہے پس جو شخص

ایسا کام عیشہ کرے گا جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو وہ بدعتی ہوگا۔

صفحہ ۷ پر ایک شبہ در اس کا ازالہ: نہ ثبوت کسی نے کیا نہ ازالہ کی ضرورت تھی۔

بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستان کیلئے

۹ حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت بلند آواز کا ذکر تعلیم کے لئے تھا۔ تعلیم کے

لئے اب بھی جائز ہے۔

۱۰ علامہ شامی کا فتویٰ: اسی پر ہمارے بزرگوں نے بھی فیصلہ فرمایا ہے اس میں مسجد میں ذکر تہجد

کا مسئلہ فرمایا ہے۔ فرض نمازوں کے بعد ذکر تہجد کا نام نشان نہیں یہ سوال گندم جواب ہے

۱۲۔ مان لیا ہے کہ معمولی بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے سے آہستہ ذکر کرنا افضل ہے

اور خود ہمیشہ شریف میں بھی ہے خیر اذکار الخفی

بہتر عن ذکر وہ۔ جسے ہوا مکمل آہستہ ہو تو پھر مسلمانوں کو فضیلت سے محروم رکھنے کی کوشش کیوں

۱۳۔ یہ حدیث اللہ کو یاد کروانا کہ لوگ کہیں دیوانہ ہے اگر ثابت ہو جائے تو

اس سے مزید کثرت ذکر ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم ان توفی الحاکم یا مراً للہ کا ترجمہ بالکل غلط کیا ہے اور درست کیا ہے

والا بھی اب ناپید ہے۔

۱۵۔ تسلیم تذکرہ کے لئے ہے تہذیب و تذکرہ مجتہدین سے ثابت ہے۔ اس لئے

سنت کا حکم رکھتی ہے۔ اس کو بدعت حسنہ کہہ دینا عجیب نہیں۔

۱۶۔ اذان کے بعد مسنون دعا آہستہ پڑھی جاتی ہے اور سب لوگ پڑھتے ہیں۔

مؤذن کی خصوصیت نہیں ہے۔

۱۷۔ حدیث کل امر ذی ہال کے ساتھ یہ بھی بتانا تھا کہ اذان کے شروع میں بلند

آواز سے درود و سلام پڑھنا کہاں سے ثابت ہوتا ہے فقہاء تو جہاں بھی درود شریف کا ذکر

آتے وہاں خاص طور پر ہدایت کرتے ہیں کہ آواز پست کرنے کے بعد درود شریف پڑھے

ثم یخفف صوته ویبصلي علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم احرام والے کو حکم ہے کہ

بیک بلند آواز سے پڑھے پھر آواز آہستہ کر کے دوپڑھے فقہ حنفی کے بیسیوں مقامات
ایسے ہیں جہاں حکم دیا گیا ہے کہ آواز آہستہ کر کے دوپڑھے آپ لوگوں کو ان احکام
سے تداخل کیوں اچھا لگتا ہے۔

۱۹۔ دین کا قاعدہ ہے کہ جہاں کہیں ذکر ہر مسنون ہے مثلاً اذان، ایام تشریق
کی تکبیرات وغیرہ اس کے علاوہ ہر بدعت ہے ایام تشریق کی تکبیرات بلند آواز سے
اسلام کا شعار ہے اس لئے اس کی اجازت ہوئی جانتے۔

امام شافعی مالکی نے الاغتصام میں محدث ابن وضاع سے نقل کیا ہے کہ :
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کچھ لوگوں پر گزرتے جن میں ایک داعظ قسم کا آدمی تھا
کہتا تھا کہ وہ دس دفعہ سبحان اللہ دس دفعہ کہہ لے وہ لوگ اس کے کہنے پر اسی
طرح پڑھتے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگو! یا تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے زیادہ برایت یافتہ ہو بلکہ سخت گمراہ ہو۔
ایک روایت میں یوں ہے کہ ایک آدمی لوگوں کو جمع کر کے کہتا اللہ رحم کرے گا
اس شخص پر جو کہے اتنی اتنی بار الحمد للہ وغیرہ تو لوگ اس کے کہنے پر اسی
طرح کہنے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وہاں گزرے تو فرمایا
لوگو! تم کو ایسی بات کا طریقہ معلوم ہوا جو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کو معلوم نہیں تھا۔ یعنی یہ بات تم سے کہاں سے نکالی۔ کیوں شور مچاتے ہو
یقیناً تم لوگوں نے گمراہی کا دم پکڑا ہوا ہے۔

دوسرا واقعہ: اور کسی نے آپ کو بتایا کہ کوفہ کی مسجد میں کچھ لوگ جمع ہو کر لکڑی
پر بیک آواز سبحان اللہ وغیرہ پڑھتے ہیں ہر آدمی کے آگے کچھ لنگر
پرکڑے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے انہی لکڑوں سے
ان کو مارنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ان کو مسجد سے نکال دیا۔

الاغتصام ۲۴۱ کذا فی نقد صحیحہ والحدیث ۱۸

حدیث کی معتبر کتاب مسند دارمی شریف باب کراہیۃ افخذ الراۃ میں۔

اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے کہ صبح کی نماز سے پہلے کچھ لوگ مسجد (غالبا کوفہ کی) میں حلقہ اور دائرے بنا کر بیٹھے تھے ہر حلقے میں ایک آدمی کہتا سودفہ سبحان اللہ پڑھو۔ سودفہ الحمد للہ وغیرہ سیدنا عبداللہ بن مسعود جب تشریف لائے تو کسی حلقہ کے پاس کھڑے ہو کر سب کو مخاطب کیا۔ کیا کرتے ہو انہوں نے عرض کیا یہ حضرت (کچھ بھی نہیں) یہ کچھ نکر ہیں ہم ان پر گن گن کر سبحان اللہ الحمد للہ کلمہ طیبہ وغیرہ پڑھتے ہیں۔ فرمایا افسوس اے امت محمدی تم کس قدر جلدی تباہ ہونے لگے دیکھو تمہارے سامنے کثرت سے صحابہ موجود ہیں (ان کی پیروی کرو۔ یہ ذکر کا طریقہ تم نے کیوں ایجاد کر لیا اور ابھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑے بھی پرانے نہیں ہوئے اور آپ نے استغاثی برتن بھی ابھی نہیں لڑتے تم اس قدر جلدی کیوں بہک گئے) کیا تم ایسے دین پرست ہو جو محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے زیادہ ہدایت والا ہے یا گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو انہوں نے عرض کیا خدا کی قسم اسے عبدالرحمان (یہ آپ کی کنیت ہے) ہم تو اس کام کو نیک سمجھ کر کرتے ہیں۔ کارخیر ہے فرمایا بہت لوگ ایسے ہیں جن کا ارادہ تو نیکی کا ہوتا ہے لیکن اتباع چھوڑ دینے کی وجہ سے نیکی ان کو نصیب نہیں ہوتی پھر فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا ایک حدیث سنائی تھی کہ کچھ لوگ اس امت میں ایسے ہوں جو قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا وہ خارجی فرقہ کی پیشین گوئی ہے، مجھے امید ہے کہ خارجیوں کی زیادہ تعداد تم میں سے ہوگی۔

عمر بن سلمہ فرماتے ہیں کہ جنگ نہروان میں ان حلقوں کی اکثریت ہمارے مقابلہ میں یزید سے ہم پر حملہ آور ہو رہی تھی یعنی وہی لوگ خارجی بن کر مسلمانوں سے قتال کر رہے تھے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتوحات کے ساتھ ساتھ جب انتظامی دد رآیا تو اقتصادی تمدنی اور عسکری ضروریات کے پیش نظر آپؓ نے کوفہ شہر آباد کیا اس

شہر کی مذہبی قیادت کے لئے جن بزرگ صحابہ کو بھیجا۔ ان کے سر پرست حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ میں بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شان میں فرمایا تھا۔ علم سے بھرا ہوا کوٹھا ہے مکان ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جو حدیث بھی عبداللہ ابن مسعودؓ بیان کریں اسے سچ مانو آپ نے کوفہ میں انبارِ سنت اور بدعت سے پرہیز کے ساتھ ساتھ علم دین اور فقہ کے چوتھے جاری کئے ہیں ان کے اثرات میں حضرت امام اعظم، ابو حنیفہ، ابراہیم نخعی، حماد، امام شافعی، امام ابو یوسف خاص طور پر قابل ذکر ہیں عالم اسلامی کی عظیم اکثریت کا فاضل مسلک سے تعلق حضرت عبداللہؓ کی زندہ کرامت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔
سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث کی اشاعت میں احتیاط کی بنا پر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ کوفہ میں مقفل بن بسا کو ایک جماعت کے ساتھ بصرہ میں عبادہ بن صامتؓ کو ایک جماعت کے ساتھ شام بھیجا اور ستمی سے منع کیا کہ ان کی حدیث پر چڑی عمل کریں۔ اس لئے کہ ان کی ثقاہت اب کی نظر میں مسلم تھی۔
ازالۃ الخفا ص ۴

خارجی فرقہ کا تعارف: سیدنا علیؓ کے عہد خلافت میں سیدنا ابیہر معاویہؓ سے ہونے والی جنگوں میں تنہا کے مسئلہ میں غلط تادیل کی بنا پر یہ سر فروش باغی گروہ پیدا ہوا۔ جو ان دونوں بزرگوں اور ان کی تمام رعایا یعنی سب مسلمانوں کو کافر مرتد واجب القتل کہتے تھے جناب علیؓ کا قاتل ابن ملجم بھی اسی گروہ میں سے تھا۔ سیدنا علیؓ نے جنگ نہروان کے خاتمہ پر خارجیوں کے لاشے لوگوں کو ان علامات کے ساتھ دکھاتے جو علامات زبان نبوت سے صحابہ نے من رکھی تھیں۔

یہ فرقہ حروریہ کہلاتا ہے ان کے سرداروں کا علیہ بھی حدیث میں موجود ہے۔ ان کے نشان یہ ہیں آیات و احادیث کی غلط تادیل مسلمانوں میں اختلافات اور بغض و عداوت

اہل اسلام کو قتل کرنا وغیرہ۔ قریباً ہر بدعتی فرقہ میں یہ علامات پائی جاتی ہیں اس امر سے
مسبب سے پہلا بدعتی گروہ ہی شمار ہوتا ہے۔ مہاک حجاج بن یوسف نے ان کی شرکت
ختم کر دی تھی۔

ناظرین اس روایت کو دیکھ کر حیران ہوں گے کہ کوفہ کی مسجد میں جو لوگ دائرے بنا کر
ذکر الہی کر رہے تھے ان کا جرم کیا تھا کہ حضرت عبداللہ جیسی عظیم شخصیت نے انہیں لکڑیوں
سے مارا کہ مسجد سے نکال دیا یہ بھی فرمایا کہ تم لوگ اپنے خیال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم
سے زیادہ ہدایت یافتہ بنے بیٹھے ہو اور یہ شبہ بھی فرمایا کہ خارجی فرقہ کی کیا تم لوگ
بنو گے جن کے گلے سے قرآن نیچے نہیں اترے گا یعنی دل پر قرآن کا اثر نہ ہو گا ظاہر
میں نماز و روزہ کے سخت پابند تھے اور پھر یہ شبہ درست بھی ثابت ہوا کہ جو جنگ بہرہ
دہیں یہی لوگ خارجیوں کی طرف سے پیش پیش لڑ رہے تھے جنگ امیر المؤمنین علی اور فاطمہ کی
کے مابین تھی

بدعت کو بڑا جرم ہی نہیں سمجھتے بلکہ بدعت حسنہ کہہ کر سنت کا نام دیتے ہیں ان
کی حیرانی قدرتی بات ہے کہ نیکی کے کام پر اپنی سزا اور اتنی ڈانڈ دے دیں کیوں۔
اصل بات یہ ہے کہ صحابہ کا درخصا سورج مغرب ہو جانے کے بعد بھی کچھ دیر تک
روحانی رہتی ہے۔ دین پوری آسب قاب چمک دے گا۔ الوار و مرکات کے ساتھ کھلا کھلا اور
صاف صاف نظر آتا تھا۔ رزق حلال کی راہیں کشادہ تھیں نیکی آسان برائی مشکل تھی حضرت
صحابہ کی نگاہیں ہر وقت سنت رسول پر جمی رہتی تھیں شیطان کو بدعت نکالنے کا کوئی راستہ
میں ملتا تھا۔ کو دنیا شہر بن رہا ہے جو فوجی چھاؤنی اور تجارتی منڈی ہونے کی وجہ سے عیس
ہزار کے منصوبہ سے بڑھ کر یکایک ایک لاکھ کی آبادی ہو گئی عرب و عجم کے اطراب اور ولسم
لوگوں کا جہم ہو گیا۔ جن کو دین کی سمجھ اور سنت کی قدر نہ تھی۔ عوامی مزاج ہر جگہ شہو خواہ اور
روٹنی میلہ پسند کرنا ہے۔ قصاص یعنی قصہ گو و اعظ بھی دھمکے۔ عوامی داعط نے لوگوں کو

قصہ کہانی سنا کر گرا دیا۔ صبح کی نماز سے پہلے وہ لوگ چھوٹے چھوٹے حلقے بنا کر بیٹھ گئے
 (حالانکہ کسی فرض نماز سے پہلے حلقے بنا کر بیٹھنا بھی منع ہے صف کی شکل میں بیٹھنا جائز ہے)
 پڑھنے والوں کے درمیان اللہ دوس بار یا سو بار کبھی وہ کبھی دس کلمہ طیبہ سو بار درود شریف سو رندہ مبارکی
 کے طریقہ پڑھ کر جوہر سے شور مچا کر دیا۔ حضرات صحابہ مسجد میں یہ شور دیکھ کر گھبرائے کہ ذکر
 کے نام پر مسجد میں شور مچا کیوں ہے۔
 زبیر فرماتے ہیں: یہ بھی مسجد لا اگر خارجی فرقہ کے الی یہی آداب، نزاج لوگ انہیں گے چنانچہ

ایسا ہی ہوا۔

مختلف روایات سے معلوم ہوا ہے کہ یہ واقعہ تدفین و قہر پیش آیا ابن دناغ کی روایت
 میں سند دوسری ہے اور دارمی شریف میں سند اور ہے گو ادر درایتیں مستقل ہیں فقہا عقیقہ
 کی متعدد ممتاز شخصیتوں نے اس روایت کو قبول کیا ہے مثلاً طوایح الانوار حاشیہ در مختار
 میں ہے:

حضرت عبدالستار بن سمور نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ کسب سمور بن عبداللہ آواز سے کہنے
 طیب اور درود شریف پڑھ رہے ہیں تو باکر انہیں نرزا یا میرے خیال میں تم
 لوگ خالص بدعتی ہو تم نے یہ باتنا بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ
 میں نہیں دیکھی یہ بات بار بار ان کو کہتے رہے یہاں تک کہ ان کو مسجد سے
 نکال دیا۔ فقہیہ اعظم انشاؤ الفقہاء علامہ خیر الدین رحمی نے قتادی رطبہ میں اس
 روایت کو تسلیم کیا ہے۔ ^{۱۸۱} لیکن سب سے بڑھ کر قتادی شامی تو اس
 روایت کو صحیح قرار دیتا ہے جبکہ فقہاء کی تصحیح سے روایت کو پوری قوت
 حاصل ہو جاتا ہے فرماتے ہیں۔

بداختم عن ابن مسعود أَنَّهُ أَخْرَجَ جَمَاعَةً مِنَ الْمَسْجِدِ يَهْلِكُونَ
 وَيُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَهْرًا فَقَالَ لَهُمْ يَا أَرْكَمُ

تو کچھ بھیج روایت سے ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مسجد سے ایسے لوگوں کو نکال دیا جو کلمہ طیبہ اور دُرُود شریف سمجھ میں بلند آواز سے پڑھتے تھے اور فرمایا کہ تم میری سمجھ میں صرف دعائیہ اور فتاویٰ شرعی نے لکھا ہے کہ میں نے یہ حوالہ فتاویٰ بزازیہ سے لیا ہے اور بنو داؤد الحمرون نے یہ حوالہ محرر الرائق میں بھی لکھا ہے تقریباً فقہ حنفی کا تمام معتبر فتویٰ کمال کا تسمیہ کر اورایت کی قوت کی بہت بڑی دلیل ہے مزید ایسے کے لیے دیکھو صیغۃ اللہ ان ص ۱۲۲ اور مجمع ۱۲۵ روزنامہ ابن حجر کی معلوم ہوتا ہے کہ ہم چورہ عدیلوں میں سنت سے بہت دور جا پڑے ہیں۔

ہمارے اس دور کے مغلطہ چاہنے والے نے فرمایا اٹھا۔

ہم سب اسے جبر کر اس پر پلٹنے والا ہوتا ہے کہ جب اسے کہا جائے کہ تم نے لا ینزک کی مخالفت کی ہے تو وہ بی سلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں کی پیروی پر اپنے زمانہ کے لوگوں کی مخالفت کی پروا نہ کرے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرمایا کرتے تھے سنت پر پورا آخر زمانہ میں بہت کم ایک عملوں سے بہتر ہو گا نیز فرمایا گو تم یہ دور میں ہو کہ نیک کاموں کو جاننا سے کرنا چاہئے لیکن کلمہ سنت اور دُرُود ہے پھر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ دین میں بدعات مل چکی ہوں گی بہترین آدمی وہ ہو گا جو سمجھ سچ کہ پر کام کو کرے کیونکہ شبہ بڑھ جائے گا۔

امام غزالی فرماتے ہیں:

کہ انہوں نے انکل سچ فرمایا کہ آج کل جو شخص علماء کے پیچھے چل پڑے

ہلاک ہو گا جیسے وہ ہلاک ہوئے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ صحابی فرماتے تھے:

اسی سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ آج کی تمہاری نیکی گزری زمانہ کی برائی تھی امام
غزالی فرماتے ہیں کہ آج کل کی بڑی نیکیاں مسجدوں کو بختہ اور خوبصورت بنانا
ہے۔ ان میں چٹایاں، دیوار اور قالین بچھانا ہے مسجدوں کی تعمیر میں بڑی
بڑی رقم خرچ کرنا آج کل کی نیکی سمجھی جاتی ہے لیکن حضرات صحابہ کے دور میں
نمازی اور زمین کے درمیان چٹائی کا فاصلہ ناپسند کیا جاتا تھا۔ سب سے
پہلے چٹایاں بچھانے کا رواج خورینہ حجاج نے شروع کیا کہ

احیا العلوم منہا

فالحمد للہ رب العالمین

جس میں مولانا عبداللہ قادری قصوری کے رسالہ ”ذکر حبیب کلہ جواز“
مفتی غلام سرور قادری لاہوری کے رسالہ ”مسئلہ الصلوٰۃ والسلام قبل اذان“
اور مولانا احمد علی قصوری کے مضمون نوائے وقت کے جوابات
نہایت مدلل مفصل دیئے گئے ہیں۔

مکتبہ محمدیہ دہلی